وقت کی قدر اور علم سے پیار
جس میں اہل علم کا ذوقِ مطالعہ، طلب علم میں بلند ہمتی اور ان کے ہاں وقت کی قدر
و قیمت اور علم کا شوق، تحصیل علم میں محنت اور علم سے پیار کرنے والوں کے سبق آموز
واقعات اور اُن کی تابناک زندگی کے پُر اثر واقعات سینۂ ویران میں جان رفتہ اور
علم کے طالب کے لئے ایک رفیق راہ منزل پر پہنچانے والی ایک مفید و منفرد کتاب
اور اہل علم کے ہاں وقت کی قدر اور علمی زندگی کی اہمیت کا منفرد انداز میں تذکرہ
تالیف:
مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری
پسند فرمودہ:
عبدالحفیظ مکی صاحب
خلیفہ مجاز
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ
کلمات تبریک
حضرت مفتی عبدالمنان صاحب مدظلہ
ناشر
مکتبۃ الشیخ

وقت کی قدر اور علم سے پیار

جس میں اہل علم کا ذوقِ مطالعہ، طلبِ علم میں بلند ہمتی اور ان کے ہاں وقت کی قدر و قیمت اور علم کا شوق، تحصیل علم میں محنت اور علم سے پیار کرنے والوں کے سبق آموز واقعات اور اُن کی تابناک زندگی کے پُر اثر واقعات سینۂ ویران میں جان رفتہ اور ہر علم کے طالب کے لئے ایک رفیقِ راہ منزل پر پہنچانے والی ایک مفید و منفرد کتاب اور اہل علم کے ہاں وقت کی قدر اور علمی زندگی کی اہمیت کا منفرد انداز میں تذکرہ

تالیف:

مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری صاحب

پسند فرمودہ:

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتہم (مکہ مکرمہ)

خلیفہ مجاز

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ

کلمات تبریک

حضرت مفتی عبدالمتین صاحب مدظلہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

نام کتاب :.................وقت کی قدر اور علم سے پیار

مؤلف :.................مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

ناشر :.................مکتبۃ الشیخ ۴/۴۴۵ بہادر آباد کراچی

اشاعت اوّل :.................۱۴۲۹ھ/2008

مکتبہ خلیلیہ

دکان ۱۹ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

دیگر ملنے کے پتے:

کتب خانہ اشرفیہ.................اردو بازار کراچی

زم زم پبلشرز.................اردو بازار کراچی

کتب خانہ مظہری.................گلشن اقبال کراچی

اقبال بک سینٹر.................صدر کراچی

دارالاشاعت.................اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ.................بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ انعامیہ.................اردو بازار کراچی

کتب خانہ مجیدیہ.................ملتان

ادارہ اسلامیات.................لاہور

مکتبہ سید احمد شہید.................لاہور

مکتبہ رحمانیہ.................لاہور

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد:

عقلمند کو چاہئے کہ اپنی عمر عزیز کی قدر وقیمت پہچانے اور اپنے امور میں غور وفکر کرے تاکہ بقیہ زندگی کو قیمتی بنا سکے، اس لئے کہ عمر اور وقت کا ضیاع بسا اوقات ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

کسی کا عربی شعر ہے۔

وَالْوَقْتُ أَنْفَسُ مَاعُنِيتَ بِحِفْظِهٖ

وَأَرَاهُ أَسْهَلَ مَاعَلَيْکَ بَضِيْع

(یعنی وقت ایک نفیس ترین شئی ہے جس کی حفاظت کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہی چیز تمہارے پاس سب سے زیادہ آسانی سے ضائع ہو رہی ہے)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مدت تک میں صوفیاء کرام کے پاس رہا ان کی صحبت سے مجھے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ:

اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ اِقْطَعْهُ وَ اِلَّا قَطَعَکَ .

"وقت تلوار کی مانند ہے آپ اس کو کسی عمل میں کاٹیے ورنہ (حسرتوں میں مشغول کر کے) وہ آپ کو کاٹ دے گا۔"

اور دوسری یہ کہ اپنے نفس کی حفاظت کریں کیونکہ اگر آپ نے اسے اچھے کاموں میں مشغول نہ رکھا تو وہ آپ کو کسی برے کام میں مشغول کر دے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرقاق میں اور امام ترمذی نے کتاب الزہد میں نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ .

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔"

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جمع الجوامع" میں ایک حدیث نقل کی ہے

کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو یہ اعلان کرتا ہے۔
مَنِ اسۡتَطَاعَ اَنۡ یَعۡمَلَ خَیۡرًا فَلۡیَعۡمَلۡهُ فَاِنِّیۡ غَیۡرُ مُکَرَّرٍ عَلَیۡکُمۡ اَبَدًا.
''آج اگر کوئی بھلائی کر سکتا ہے تو کر لے، آج کے بعد پھر کبھی میں واپس نہیں لوٹوں گا۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:
یَاابۡنَ آدَمَ اِنَّمَا اَنۡتَ اَیَّامٌ فَاِذَاذَھَبَ یَوۡمٌ ذَھَبَ بَعۡضُکَ.
''اے ابن آدم تو ایام ہی کا مجموعہ ہے جب ایک دن گزر جائے تو تو یہ سمجھ تیرا ایک حصہ گزر گیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:
اَلۡاَیَّامُ صَحَائِفُ اَعۡمَارِکُمۡ،فَخَلِّدُوا ھَا صَالِحَ اَعۡمَالِکُمۡ.
''یہ ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں، اچھے اعمال سے ان کو دوام بخشو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:-
میں اس دن سے زیادہ کسی چیز پر نادم نہیں ہوتا جو میری عمر سے کم ہو جائے اور اس میں میرے عمل کا اضافہ نہ ہو سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:
دن رات کی گردش آپ کی عمر کم کر رہی ہے تو آپ عمل میں سستی کیوں کرتے ہیں۔
لیکن جو قومیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں وقت انہیں ضائع کر دیتا ہے۔۔۔۔۔
ایسی قوموں کا انجام غلامی ہوتا ہے۔۔۔۔ دین و دنیا کا خسارہ ان کا مقدر ہوتا ہے وقت کا ضیاع ان کے ہاتھوں میں کشکول گدائی تھما دیتا ہے اگر انسان چوبیس (۲۴) گھنٹے کے اوقات میں سے صرف ایک گھنٹہ کی قدر کر لے مثلاً حصول علم کے لئے وقف کر دے تو چند سالوں میں ایک حد تک باخبر عالم بن سکتا ہے۔۔۔۔

ذیل کے اشعار امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں فرماتے ہیں کہ

النا س من جهة التمثيل انكا ء　　ابو هم ادم و الا م حو ا ء
(صورت کے لحاظ سے تمام آدمی یکساں ہیں باپ آدم اور ماں حواء ہے)
نفس كنفس و ارواح مشا كلته　　واعظم خلقت فيهم و اعضا ء

(سب ایک ہی قسم کی جان ہے روحیں بھی مشابہ ہیں سب میں ہڈیاں ہیں اور اعضا ہیں)

فا ن یکن لھم من اصلھم حسب　　　یفا خرون بہ فا لطین و الما ء

(آدمی اپنی اصلیت پر اگر فخر کریں، تو اصلیت، مٹی اور پانی ہے)

ما الفضل الا لا ھل العلم انھم　　　علی الھد یٰ لمن استھد یٰ ادلا

(ہاں فضیلت ہے، تو صرف اہل علم کو ہے۔ وہی طالبان ہدایت کے رہنما ہیں)

وقدر کل امر ء ما کا ن یحسنہ　　　وللرجال علی الا فعا ل اسما ء

(آدمی کا رتبہ بس وہ ہنر ہے، جس میں کامل ہے۔ عمل ہی انسان کو ممتاز کرتا ہے

وضد کل امرء ما کان یجھلہ　　　والجا ھلو ن لا ھل العلم اعد اء

(آدمی جس بات سے جاہل ہے اس کا مخالف ہوتا ہے اسی لئے جہلاء علماء کے دشمن ہوتے ہیں)

علم کی اہمیت میں یہاں دو مختلف اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

العلم فیہ حیا ۃ للقلو ب　　　کما تحیا البلا داذ ما مسھا المطر

(دلوں کیلئے علم میں اسی طرح زندگی ہے، جسطرح مینہ سے زمین زندہ ہو جاتی ہے)

والعلم یجلو العمیٰ عن قلب صا حبہ　　　کما یجلی سو اد الظلمۃ القمر

(علم کوری کو دل سے اسی طرح زائل کر دیتا ہے جس طرح چاند اندھیرے گھپ کو)

پیشِ نظر کتاب میں اسلاف کے حالات وواقعات اور نصائح کو ذکر کر کے علم کے متلاشی کو اپنے حقیقی مقام کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہے، کیونکہ حالات وواقعات کو انسانی زندگی کی تعمیر وتسدید میں جو اہمیت حاصل ہے وہ روزِ روشن کی طرح ہر عاقل پر عیاں ہے۔

یہ باتیں اسلاف کی میراث ہیں اور علم کے طالبوں کیلئے معرفت کا نور ہے جو کہ عین مقصود ہے،

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر وناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر، بندہ ناچیز راقم الحروف اور جملہ معاونین اور تمام دینی وعصری طلباء کی دنیوی زندگی بننے اور آخرت میں نجات ملنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے۔ آمین

خانقاہ غفوریہ حقانیہ نقشبندیہ

کا ایک ادنیٰ خادم

محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

حصّہ اوّل

وقت کی قدر

پہلا باب

وقت ایک عظیم نعمت

وقت ایک قیمتی سرمایہ

یہ ایک کلیہ اور اصل اصول ہے، اپنے اوقات کو اوراد و اذکار سے معمور رکھو اور تمام اعمال و اذکار میں اس کلیہ پر عامل رہو۔

نصیحت ہمیں است جان برادر　　　که اوقات ضائع مکن تا توانی

من فات وقته فقد فات ربه جس نے اپنے وقت کو کھویا اس نے اپنے رب کو کھویا۔ دنیا کے اشغال ہر سالکِ راہ کے مزاحم ہوا کرتے ہیں لیکن طالبِ خدا کو چاہئے کہ اگر پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو بھی دوڑنے سے باز نہ رہے۔

فارغ چه بود ز خود گذشتیم　　　مارا نه غمے نه غمگسارے

بہر حال جو سامنے آئے تم اس طرف بالکل متوجہ نہ ہو نہ دائیں طرف دیکھو اور نہ بائیں طرف۔ سیدھے منہ اٹھائے صراط مستقیم پر چلے جاؤ۔

وقت بچانے کے تین اہم سنہری اصول!

وقت انسان کی بہترین پونجی اور گراں مایہ سرمایہ ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انسان جتنی بے دردی، لاپرواہی اور بےفکری کے ساتھ وقت ضائع کرتا ہے، اپنی ملکیت کی کسی اور چیز کو اتنی بے دردی اور غفلت کے ساتھ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

وقت کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے، اس کو ضیاع سے بچانے، اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں وقت کے موضوع پر بحث کرنے والوں نے کچھ تدابیر اور اصول مقرر کئے ہیں، ذیل میں ہم ان میں سے تین بڑے اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) نظام الاوقات!

شب و روز کے اقات کے لئے ایک نظام عمل متعین کرنے، آنے والے وقت کے لئے ایک مخصوص عمل کا پروگرام بنانے اور زندگی کے تمام اوقات کے لئے کاموں کی ترتیب و تشکیل کے عمل کو نظام الاوقات کہا جاتا ہے، ہر انسان کے ذمہ مختلف کاموں اور امور کی ادائیگی ہوتی ہے، ان کاموں کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کی آسان، سہل اور

بہترین صورت یہی ہے کہ انسان پہلے سے ایک نظامِ عمل تشکیل دے اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہو۔

اوقات کا یہ نظام بناتے ہوئے کاموں کی تقدیم وتاخیر کی ترتیب میں وقت اور کام دونوں کی نوعیت اور کیفیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کونسا عمل کس وقت زیادہ بہتر طریقہ سے ادا ہو سکتا ہے اور کون سا وقت کس عمل کے لئے زیادہ سازگار ماحول فراہم کرتا ہے جو کام زیادہ نشاط، طبیعت کی تازگی اور ذہن ودماغ کی توجہ کا تقاضہ کرتا ہو، اس کی ادائیگی کے لئے وقت کا انتخاب بھی ایسا ہونا چاہئے جب انسان کی طبیعت میں تازگی اور نشاط ہو، مثلاً صبح کے وقت انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کی فضا پر تازگی اور رعنائی چھائی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اوقاتِ صبح میں برکت کی دعاء فرمائی ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ، لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا ''اے اللہ! میری اُمّت کے لئے صبح کے اوقات میں برکت عطا فرما۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس صبح کی وقت تشریف لے گئے آپ لیٹی آرام فرمارہی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جگاتے ہوئے فرمایا:

> يَا بُنَيَّةُ، قُوْمِیْ اِشْهَدِیْ رِزْقَ رَبِّكِ وَلَا تَكُوْنِیْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُقَسِّمُ أَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلٰى طُلُوْعِ الشَّمْسِ.
>
> ''بیٹی! اٹھئے، اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہیئے،
> اور غفلت والوں میں سے مت بنیئے، کیونکہ اللہ جل شانہ طلوع فجر
> اور طلوع شمس کے درمیان لوگوں کا رزق تقسیم کرتا ہے۔''

چونکہ صبح انسان کی طبعی نشاط کا وقت ہوتا ہے اس لئے اس میں تقرر بھی ایسے کام کا ہونا چاہئے جو اس نوعیت کا مقتضی ہو، اسی طرح شب وروز کے دیگر اوقات کے لئے بھی کاموں کے انتخاب میں وقت اور کام دونوں کی کیفیت، نوعیت اور فطری ماحول اور مزاج کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

زندگی کو نظام الاوقات کا پابند بنانے سے جہاں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہاں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب پہلے سے ایک پروگرام طے ہوگا اور آنے والے وقت کے لئے ایک نظامِ عمل مقرر ہوگا تو اس وقت کی آمد پر انسان کی توجہ از خود اس کام کی ادائیگی کی طرف مبذول ہوگی اور یوں وقت تردد اور سوچنے میں ضیاع کا شکار نہیں ہوگا۔۔۔کہا جاتا ہے وقت ایک ظالم خونریز کی مانند ہے، دانا وہی ہے جو اس کو پکڑ کر قابو میں کرلے لیکن چونکہ اس کی چوٹی پیچھے کی بجائے آگے کی جانب ہے اس لئے اس کو قابو کرنے میں وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو پیش بین ہو اور آنے والے وقت کے بچاؤ کے لئے اس نے پیشگی تدبیر کررکھی ہو، مولانا محمد حسین آزاد اپنی مشہور کتاب ''نیرنگ خیال'' میں ''وقت'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''وقت ایک پیرہن کہن سال کی تصویر ہے، اس کے بازوؤں میں پریوں کی طرح پرواز لگے ہیں کہ گویا ہوا میں اڑتا چلا جاتا ہے، ایک ہاتھ میں شیشۂ ساعت ہے کہ جس سے اہل عالم کے لوگوں کی کشت امید یا رشتۂ عمر کو کاٹا جاتا ہے یا ظالم خونریز ہے کہ جو دانا ہیں اسے پکڑ کر قابو میں کرلیتے ہیں لیکن اوروں کی چوٹیاں پیچھے ہوتی ہیں اس کی چوٹی آگے رکھی ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو وقت گزر گیا وہ قابو میں نہیں آسکتا، ہاں جو پیش بین ہو وہ پہلے ہی سے روک لے۔'' (نیرنگ خیال صفحہ ۱۱)

اس پیش بینی کا تقاضہ ہے کہ پہلے سے ایک نظام الاوقات ترتیب دیا جائے اور زندگی کو اس کا پابند کیا جائے۔

نظام الاوقات کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے سبب ہر کام اپنے مقررہ وقت میں پوری دلجمعی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ورنہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کے ذمہ بہت سے کام ہوں اور ان کے لئے اوقات کا نظام مقرر نہ ہو تو ایک کام کی ادائیگی کے وقت دل دوسرے کاموں میں اٹکا رہتا ہے اور یوں انسان کی طبیعت ایک انجانی سی الجھن کا شکار رہتی ہے۔

تاریخ میں جتنی علمی شخصیات گزری ہیں، جنہوں نے عظیم تصنیفی کارنامے انجام

دیئے ہیں ان کی پابندیٔ نظام الاوقات ضرب المثل ہے اور یہی ان کے کارناموں کا بنیادی راز ہے، اس کا کچھ اندازہ ان واقعات سے کیا جا سکتا ہے جو آگے حصہ دوم (علم سے پیار) میں آرہے ہیں۔

(۲) صحت!

انسانی جسم کی صحت اللہ جل شانہ کی عظیم بیش بہا نعمت ہے، ذہن و دماغ کی صحت اسی وقت برقرار رہتی ہے جب جسم صحت کی نعمت سے مالا مال ہو اور وقت کی رفتار سے بھرپور فائدہ زندگی صحت مند ہونے ہی کی صورت میں ممکن ہے۔

انسان اگر امراض اور بیماریوں کا شکار ہو جائے، جسم افسردگی کی آفت میں مبتلا ہو، دل کا چمن مرجھایا ہو تو زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے اور حیات کا ہر منظر خزاں کا شکنجہ محسوس ہوتا ہے کہ زندگی دل کے جینے سے عبارت ہے اور دلِ افسردہ کو بلبل کی شیریں نوائی بھی غم کے نالے اور قمریوں کی خوش الحانی حزن والم کا فغاں معلوم ہوتی ہے، جسم و دل اداس ہو، تو پھولوں کی نکہت اور باغ کی زینت بھی اداسی کا نشان و علامت دکھائی دیتی ہے۔ یہ جو جان و دل عطا کئے گئے ہیں، امانت ہیں، ہر امانت حفاظت کا حق رکھتی اور اس کی ادائیگی کا جائز مطالبہ کرتی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لا هْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا...... فَأَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهُ.

”بیشک تجھ پر تیرے رب کا حق ہے اور تیرے نفس اور اہل و عیال کا حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دیا کر۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے تھے، ان کے صاحبزادے خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے ”ابا جی! آپ سو رہے ہیں اور لوگ دروازے پر آکر کھڑے ہیں“ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یَابُنَیَّ إِنَّ نَفْسِیْ مَطِیَّتِیْ، وَأَخَافُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَیْهَا فَتَقْعُدَ بِیْ

”بیٹے! میری جان میری سواری ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ حد سے زیادہ اس پر بار ڈالوں گا تو وہ چل نہ سکے گی۔“

اسی لئے وقت اور زندگی سے تعمیری کام لینے کے لئے جسمانی صحت کی حفاظت اور اس کا خیال رکھنا ایک فطری اور ضروری امر ہے۔

وہ کام جو غلو اور صحت کو متاثر کرنے والے انہماک کی حد تک ہو، پسندیدہ نہیں، تیز رفتار چل کر راہ میں غفلت کی نیند سونے والے خرگوش سے دھیمی چال چلنے والا وہ کچھوا جو منزل پر پہنچے بہر حال بہتر ہے کہ دھیمی دھیمی چال ہی سے زندگی کی رہ گزر بآسانی طے ہوسکتی ہے، جنہیں تیز روی پر ناز ہوتا ہے وہ عموماً منزل پر کم ہی پہنچ پاتے ہیں،۔۔۔۔۔ پانی کا وہ قطرہ جو ہمیشہ ٹپکتا ہے اور پتھر کے سخت سینہ میں بھی شادابی کا اثر پیدا کر لیتا ہے اس پُر شور برساتی ندی سے بہتر ہے جو چند لمحوں کے ہنگامہ کے بعد ختم ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَحَبُّ الاعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ مَادَامَ وَاِنْ قَلَّ

''اللہ کو وہ عمل محبوب ہے جو دائمی ہو اگر چہ مقدار میں کم ہو۔''

(۳) احتساب!

کیا کھویا اور کیا پایا؟ کتنا فائدہ ہوا اور کتنا نقصان؟ اس کے پرکھنے کی کسوٹی احتساب کا عمل ہے، چاہے وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی اسٹیج پر

وقت کے متعلق احتسابی عمل سے گزرنے کے بعد دل میں اگر زندگی کی کچھ اہمیت ہے تو شب و روز ضائع جانے والے اوقات پر ایک حسرت پیدا ہوتی ہے اور حسرت کے داغ اکثر نشان منزل ہوتے ہیں یوں کہ اس سے آئندہ وقت کو ضیاع سے بچانے کے لئے ایک عملی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے یہ جو بات کہی جاتی ہے اور وہ اپنی جگہ درست بھی ہے کہ ماضی پر حسرت اور مافات پر ندامت وقت کو مزید ضائع کرنا ہے یہ اس وقت ہے جب ندامت و حسرت کی وہ کیفیت مستقبل میں کسی نئے عزم اور جذبے کا سبب نہ بنے، اگر مافات پر ندامت، تلافی کا جذبہ اور عملی ولولہ پیدا کرتی ہے تو یہ احساس ضیاع وقت کے زمرے میں نہیں آتا اور وقت کے سلسلے میں احتساب کے اصول سے تلافی مافات کا یہی جذبہ اور عمل کا عزمِ جواں پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(بحوالہ متاع وقت اور کاروانِ علم ص ۷۹ تا ۸۳)

وقت کی قدر واہمیت اقوال زریں کی روشنی میں

☆...... حضرت مسیب بن رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو فارغ اور بیکار ہو، نہ دنیا کے کسی کام میں مشغول ہو اور نہ ہی آخرت کے کسی کام میں“۔

(اخرجه وكيع بن الجراح فى " الزهد ''. ص (٣٦٩) واحمد فى " الزهد "۔:ص (١٥٩)

☆...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ”تمہارے شب وروز گزر رہے ہیں، عمریں کم ہیں، تمام اعمال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور موت اچانک آجائے گی، پس جو شخص نیکی کا بیج بوئے گا وہ عنقریب خوشی سے اس کی کھیتی کاٹے گا اور جو شخص برائی کا بیج بوئے گا وہ عنقریب شرمندگی کی کھیتی کاٹے گا، جو بیج ڈالو گے وہی کاٹو گے۔

(اخرجه احمد فى " الزهد " : ص ١٦١ و ابونعيم فى " الحلية " ص ١/ ١٣٤)

☆...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاہلی اور سستی سے فقر وافلاس پیدا ہوتا ہے۔“ (الحدائق : ص ٣/ ٢٢٨)

☆...... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”دنیا کے ایام میں سے کوئی دن نہیں آتا مگر وہ (بزبان حال) کہتا ہے کہ اے لوگو! میں نیا دن ہوں، اور جو عمل میرے اندر کیا جائے گا میں اس پر گواہ ہوں گا، اور جب میرا سورج غروب ہوگا تو پھر میں قیامت کے دن تک تمہارے پاس واپس نہیں آؤں گا۔“ (الحدائق ص ٣ / ٢٢٤)

☆...... حضرت ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اگر کسی کا درہم گر جائے تو کہتا ہے کہ انا للہ! میرا درہم کھو گیا، جب کہ اس کا وہ دن جا رہا ہوتا ہے یہ نہیں کہتا کہ میرا دن ضائع گیا کہ میں نے اس میں کوئی (نیک) عمل نہیں کیا۔“ (الحلية : ص ٨/٣٠٣)

☆...... حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”جس نے کل (آئندہ) کے دن کو اپنی زندگی میں شمار کیا اس نے موت کو اس کا اصل مقام نہیں دیا (کیونکہ) کتنے ہی آنے والے ایام ایسے ہیں جس کو وہ پورا نہیں کرے گا، اور آنے والی کل کی کتنی آرزوئیں ایسی ہیں کہ اسے وہ حاصل نہ کر پائے گا، اگر تم مدت عمر اور اس کی (تیز) رفتاری کو جان لو تو تمہیں اپنی امیدوں اور آرزوؤں سے نفرت ہو جائے۔“

(صفة الصفوة : ص ٣/١٠٣)

☆..... حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیھا نے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم گنے چنے ایام سے عبارت ہو، پس جب تیرا ایک دن ختم ہوگا تو یہ ایسا ہے جیسے تیرا ایک حصہ ختم ہو گیا، اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ جب تیرا بعض حصہ ختم ہوگا تو کل حصہ بھی ختم ہو جائے گا، اور تم کب (حقیقت کو) جانو گے، لہٰذا (ابھی سے) عمل کرو۔"

(الحدائق : ص ۳/ ۲۲۵)

☆..... مشہور تابعی عامر بن عبدالقیس کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی بات کرنی چاہی، تو وہ فرمانے لگے:

سورج کی گردش روک دو تو تم سے بات کرنے کے لئے وقت نکال لوں۔

(الخاطر ص ۱۵)

جس شخص کو یقین ہو کہ اس کی عمر ایک معمولی پونجی ہے جسے لے کر وہ جنت کی دائمی زندگی کے حصول کے لیے سفر کر رہا ہے وہ اس کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، البتہ جس کا جزا و سزا پر ایمان کمزور ہو اور علم کم ہو اور ہمت پست ہو وہ بے کار رہ کر دنیا کی راحت کو ترجیح دے گا، اور توحید خداوندی پر قانع ہوگا جس سے وہ نجات کا امیدوار ہے، اور اعلیٰ درجات و مقامات کے کھو جانے کی فکر نہیں کرے گا۔

☆..... جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتها
واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

"بلندیوں کے حصول کی کوشش نہ کر، بس بیٹھ جا، کیوں کہ تو کھاتا پیتا اور کپڑے پہننے والا ہے۔"

☆...... حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی عمر کے ساتھ کھیلتا ہے وہ اپنی کھیتی کے دنوں کو ضائع کرتا ہے اور جو اپنی کھیتی کے دنوں کو ضائع کرتا ہے اسے کٹائی کے وقت ندامت اور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا انت لم تزرع وابصرت حاصدا
ندمت علی التفریط فی زمن البذر

"جب تو بیج نہیں بوئے گا تو کٹائی کے وقت تجھے اپنی اس کوتاہی پر ندامت

وشرمندگی اٹھانا پڑے گی۔"

☆..... حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے خطاب میں اکثر و بیشتر یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ بھری جوانی اور سیاہ بال جنون و دیوانگی ہیں جب تک کہ اس کا بدل نہ دیا جائے۔

نیز ابو عبداللہ الحظلی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے ہیں۔

اعینا ی ھلا تبکیا ن علیٰ عمر ی

تنا ثر عمر ی من یدی ولا ادر ی

اذا کنت قد جا وزت ستین حجۃ

ولم اتا ھب للممات فما عذری

"میری آنکھیں میری عمر رفتہ پر اشک بار کیوں نہیں ہوتیں، میری عمر میرے سامنے اجڑ گئی اور مجھے معلوم ہی نہیں، میں ساٹھ سال سے تجاوز کر چکا ہوں مگر ابھی تک موت کی تیاری نہیں کی، میرے پاس کیا عذر ہے۔"

وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اخلاص حاصل کریں

☆...... اخلاص ایک مشک ہے جو دل میں محفوظ ہوتی ہے اس کی خوشبو حامل مشک کو پہنچتی رہتی ہے۔ عمل صورت ہے اور اخلاص اس کی روح، چنانچہ طاعات کی صورت پر مغرور نہ ہو، کیونکہ اخلاص کا مدمقابل (فریق) جب حاکم جزا کے پاس آئے گا تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ اخلاص کا بازار بہر صورت نفع بخش ہے، اس میں کساد بازاری نہیں، مخلص انسان اپنی طاعات کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے اسے اتفاقی امر شمار کرتا ہے اور قبولیت کا قلم اسے جوہر کے مقام میں ثابت کرتا ہے۔ زینۃ الواعظین ودرۃ الناصحین امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی میدان وعظ کی جولانی ہے، ایک غریب الوطن واعظ بغداد دیکھنے آئے اور اہل بغداد ان کے پاس حاضر ہوئے لیکن وہ بھی علم و وعظ میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کو نہ پہنچ پائے۔ البتہ ہمعصری ایک ستر پوش حجاب ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ غیرت مندانہ اشعار بھی اس ضمن میں کہے تھے۔

لیکن اس کے باوجود اس اعراض سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ ان کی رفعت اور مرتبت میں اضافہ ہی ہوا اور یہ امر ان کی تالیفات کی تابندگی کا سبب بنا۔

فمضی وقد ابقی ماثرہ
ومن الرجال معمر الذکر

''خود تو چلے گئے مگر اپنے آثار کو زندہ چھوڑ گئے بعض لوگ تا دیر یاد رکھے جاتے ہیں۔''

ایک شاعر کا کہنا ہے کہ

☆......... ؎ لا تسه عن ادب الصغیر
وان شکا الم التعب
ودع الکبیر لشأنه
کبر الکبیر عن الادب

''یعنی چھوٹے بچہ کو ادب سکھانے سے غافل نہ ہو، اگر چہ وہ درد و تکلیف کی شکایت کرے اور بوڑھے کو اس کے حال پر چھوڑ دے، کیونکہ بوڑھا آدمی اب ادب نہیں سیکھ سکتا۔''

ایک شاعر کہتا ہے ؎

ان الغصون اذا قومتها اعتدلت
ولا یلین اذا قومته الخشب
قد ینفع الادب الاحداث فی مهل
ولیس ینفع فی ذی الشیبة الادب

''یعنی جب تم درخت کی ٹہنیوں کو سیدھا کرو گے تو وہ سیدھی ہو جائیں گی لیکن جب اس کی لکڑی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ نرم نہیں ہوگی (بلکہ ٹوٹ جائے گی) نو عمر بچوں کو ادب کی تعلیم فائدہ دیتی ہے اور بوڑھے آدمی کو ادب سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔''

☆...... اس ضمن میں ایک اللہ والے کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اما الشباب فظلمة للمهتدی
وبه ضلال الجاهل الممرّد
فاقمعه بالصبر الجمیل ودم علی
الصوم الطویل فانه کالمبرد

واکفف لسانک عن فضول کلامہ
واحفظہ حفظ الجوھر المتبدد

واغضض جفونک عن حرام واقتنع
بحلال ما حصّلت تحمد فی غد

ودع الصبا فاللہ یحمد صابراً
یا نفس ھذا موسم فتزوّدہ

الصبر عن شھوات نفسک توبۃ
فاثبت وغالب شھوۃ لم ترقد

تحمد ھناک اذا ھواک ترکتہ
یا سعد تسعد بالمعاش الارغد

ان شئت نیل الفخر فاصبر واصطبر
ان المفاخر فی الطریق الابعد

”جوانی ہدایت چاہنے والوں کے لئے ایک تاریکی ہے اور اسی کی وجہ سے جاہل سرکش گمراہ ہوتا ہے، تم اس کے زور کو اچھے صبر کے ذریعہ توڑو اور کثرت سے روزے رکھو، کیونکہ یہ چیز اس کے لئے ریتی کی مانند ہے، اپنی زبان کو فضول گوئی سے باز رکھو اور قیمتی جوہر کی طرح اس کی حفاظت کرو، حرام چیز سے اپنی نگاہ کی حفاظت کرو اور حلال چیز جو حاصل ہو جائے اس پر قناعت کرو، کل کلاں تمہاری تعریف ہوگی، خواہش کی پیروی چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود تعریف فرماتے ہیں، اے نفس! یہ وقت ہے، غنیمت جان، اور سفر کے لئے توشہ تیار کر، اپنے نفس کی خواہشات سے باز رہنا توبہ ہے، پس تم ثابت قدم رہو اور خواہشوں کو مغلوب کرو جب تم اپنی خواہش کو ترک کروگے تو کل قیامت کے روز تمہاری ستائش ہوگی، اے خوش بخت! اس بافراغ زندگی کو پا کر سعادت مند ہو جا، اگر تم فخر و اعزاز کے خواہش مند ہو تو اپنے نفس کو روکو اور برداشت کی صفت پیدا کرو، کیوں کہ قابل فخر کام کا حصول اتنا آسان بھی نہیں۔“

☆..... قدر أیت المشیب نور اًتبدّ ی
نور الطر یق ثم ما ان تعد ی
کّا ن نور الشبا ب عاریة عند ی
فجاء المعیر حتی استر دّا
جا ءنی نا صح اتا نی نذ یر
ببیا ض ارانی الامر جد ا
دع حد یث الصبا ور امة والغو ر
ونجدًا یا سعد واھجر سعد ی
وتز و د زاد الشتاء فقد فا ت
ربیع ضیعت فیه الو ر دا
قف علی البا ب سائلا عفو مولاک
فماء ان یرا ک یر حم عبدا

''میں نے بڑھاپے کو نور سمجھا جو راستہ کا نور بن کر نکلا اور پھر حد سے بڑھ گیا، جوانی کا نور میرے پاس عاریت کے طور پر تھا، مالک آیا اس نے اپنی چیز واپس لے لی، جب خیر خواہ آیا یعنی بڑھاپا سفیدی لایا تو حقیقت خوب ظاہر ہوگئی، بچپن کی باتیں چھوڑ دو اے خوش بخت! رامہ، غور و نجد اور اپنی محبوبہ سعدیٰ کو خیر باد کہہ دو اپنے مولیٰ کے در پر سائل بن کر کھڑا رہ جب وہ کرم کرتا ہے تو اپنے بندے پر مہربان ہوتا ہے۔''

نیز کہتے ہیں:

عشت وظلّ الز ما ن ممد و د
و الغصن یھتز و الصبا رُو د
فا قبل الشیب فی عسا کر ہ
اسود غا بٍ فغا بت السو د
لقد کنت فی ظلمة فا شر ق فجر
المشیب فا للیل عنه مطر و د
قد یبس الغصن فی نضارته
وما ل بعد استقا مة عو د

وجاء ک الموت فانتظره وذوالعمر
یسیر والسیر معدود

لا بدمن مزعج علٰی غرر
هیهات باب البقاء مسدود

السمع قد صم عن مواعظه
والجهل فاش والقلب جلمود

”میں نے زندگی اس حال میں بسر کی کہ وقت کا سایہ دراز اور جوانی کی شاخ لہلہاتی تھی اور بادِ صبا بہت خوشگوار تھی لیکن جب بڑھاپا آیا جس کے لشکر میں جنگل کے شیر تھے تو بالوں کی سیاہی غائب ہوگئی، میں تاریکی میں تھا کہ بالوں کی سفیدی کا آغاز ہوگیا اور رات کی تاریکی دور ہوگئی جوانی کی وہ شاخ جو کبھی ہری بھری ہوتی تھی خشک ہوگئی اور جو پہلے سیدھی تھی اب جھک گئی، اب موت قریب آ پہنچی، پس اس کا انتظار کر، عمر بہت کم ہے اور سفر بھی محدود ہے، ضروری ہے کہ اس خطرہ پر کوئی متنبہ کرنے والا ہو، مگر یہ ناممکن ہے بقا کا دروازہ بند ہے، کان وعظ کو سننے سے بہرے ہو چکے ہیں اور جہالت آشکار ہو چکی ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔“

نیز کہتے ہیں:

أهل یعود ما مضٰی لی راجعا
ام هل أری نجومه طوالعا

اذا تذکرت زماننا ماضیا
جدد حزنا انقض الاضالعا

بادر بذی الباقی وأدرک مامضی
لعل ما یبقی یکون نافعا

کان الصبا لهوا أعجیباً حاله
سرعان ما فطمت فیه راضعا

ما خلت قبل الشیب ان مفرقا
رصع بالدر یذم الراصعا

یا حسرتی علی زمانِ قد مضی
وذهبت ایامه ضوائعاً

''کیا گزرا ہوا وقت دوبارہ لوٹ سکتا ہے؟ کیا ڈوبے ہوئے ستارے
دوبارہ طلوع ہوتے دکھائی دے سکتے ہیں؟ جب گزرا ہوا زمانہ
یاد آتا ہے تو غم تازہ ہو جاتا ہے اور پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں، بچپن
کا زمانہ عجیب کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے جو جلدی سے گزر جاتا ہے،
ہائے افسوس! وقت گزر گیا اور تمام ایام بے کار چلے گئے۔''

وقت کی قدر پر اہل علم کے عبرت آموز عربی اشعار (بمعہ ترجمہ)

☆...... حدثت عن محمد بن عبد الله بن أخي ميمي، قال أنبأ جعفر بن محمد بن نصير، ثنا أحمد بن محمد بن مسروق الطوسي قال: قرأت على محمود بن الحسن من قوله:

بادِرْ شبابک أن يَهْرَمَا
وصِحَّة جِسمِک أنْ يَسْقَمَا
وأيّام عَيشک قَبلَ المماتِ
فَمَا دَهْرُ من عاشَ أن يَسْلَمَا
وَوَقت فَرَاغِک بادرْ بِهِ
لَيَالِيَ شُغلِک في بَعْضِ مَا
وَقَدِّم فَكُلُّ امْرِیءٍ قَادِم
عَلٰى بَعضِ ما كَانَ قَدْ قَدَّمَا

مسروق الطوسی نے کہا کہ میں نے ''محمود بن الحسن'' کے سامنے اس کے یہ اشعار کہے: اپنے شباب سے جلد فائدہ اٹھالے، کہیں ڈھل نہ جائے، اپنے بدن کی توانائیاں کیش کر، مبادا کہ بیمار پڑ جائے۔

مرنے سے پہلے ایام زندگی کو جلد مفید بنا، کسی بھی زندہ کا دور حیات ابدی نہیں۔ اور جلد اپنے فراغت کے ایام کو کسی بھی بے ہنگم مصروفیات لیل ونہار سے قبل کام میں لے آ، توشہ آخرت جمع کرلے، پس ہر انسان کو اپنے عمل اخروی کا سامنا کرنا ہی کرنا ہوگا۔

☆...... أخبرنا إبراهيم بن عمر البرمكي، قال: أنبأ محمد بن عبد الله بن خلف، قال: ثنا ابن ذريح، ثنا هناد بن السري، ثنا وكيع عن الأعمش،

قال : سمعتهم يذ كرو ن عن شر يح أ نه رأ ى جير انااله يجو لو ن ، فقال :
﴿ مَالكُم ؟ فقالوا: فَرَغْنَااليُوم، فقال شُرَيح : وبِهذَ اأمِرَالفَارِغُ ؟ ﴾
اعمش نے کہا کہ: میں نے ان سے "شریح" کے متعلق سنا کہ اس نے اپنے پڑوسیوں کو آوارہ گردی کرتے دیکھا تو کہا: "تمہیں کیا ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ: آج ہمارا یوم فراغت (آزادی) ہے، تو "شریح" نے کہا: کیا فارغ آدمی کو ایسا کچھ کرنے کا کہا گیا ہے؟

☆...... أخبرنا الحسن بن أبي بكر ، قال :ثنا عثما ن بن أ حمد الد قا ق، ثنا هيذ ام بن قتيبة المر و ز ى ، ثنا محمد بن كليب ثنا إسما عيل بن عيا ش ، ثنا مطعم بن المقدا م الصنعا نى وغيره عن محمد بن واسع الا زدى ، قا ل :
كتب أبو الد رداء إلى سلما ن :(مِنْ أبِى الدّرْدَاء إلى سَلْمَان : ياأخِي اغْتَنِم صِحّتكَ وفَرَاغك مِنْ قبل أن يَنْزِل بَك مِن الْبَلا ء مالا يَسْتطِيعُ أحَد مِنَ النّاس رَدّهُ عَنكَ) .
"ابوالدرداء" نے "سلمان" کو لکھا: از طرف "ابوالدرداء" بنام "سلمان" بھائی جان: ایسی مصیبت آنے سے پہلے کہ جسے کوئی بشر بھی تجھ سے ٹال نہ سکے گا۔ اپنی تندرستی وفراغت سے بہتر استفادہ کرلے"۔

☆......... أخبرنا أبو الحسين على بن محمد بن عبد الله المعدل قال: اخبرنا الحسين بن صفو ان ، ثنا عبد الله بن محمد بن أ بى الد نيا قال : أ نشد نى أ بو عبد الله أ حمد بن أ يو ب :

(اِغْتَنِمْ فى الفَرَاغِ فَضْلَ رُكُوع
فَعَسَى أنْ يَكُونَ مَوْتُكَ بَغْتَة
كَمْ صَحِيحٍ رَأيْتَ مِنْ غَيرِ سُقْمٍ
ذَهَبَتْ نَفْسُهُ الصَّحِيحَةُ فَلْتَه)

احمد بن ایوب (ابوعبداللہ) نے یہ اشعار کہے: "فرصت ہاتھ لگے تو ایک رکوع (رکعت) کا ہی اضافہ کر گزر، مبادا کہ موت اچانک آن دبوچے، تو نے کتنے ہی صحت مند دیکھے ہوں گے کہ بغیر بیمار ہوئے، اچانک ان کا تندرست بدن موت کی آغوش میں چلا گیا"۔

☆........ أنشدنى أبو الو ليد سليمان بن خلف بن سعد الا ند لسى لنفسه :

(إذَا كُنتُ أَعْلَمُ عِلْمًا يقِينًا
بأنَّ جميع حَيَاتي كَسَاعَه
فَلِمَ لا أكُونُ ضَنينًا بها
وأَجْعَلها في صَلاحٍ وطَاعَه)

ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الاندلسی نے اپنے متعلق مجھے یہ اشعار سنائے کہ:
"جب مجھے یقین کامل ہے کہ میری ساری زندگی پل بھر کا سودا ہے تو میں اس کے لمحہ لمحہ پر حریص کیوں نہ رہوں، اور اسے نیکی وفرمانبرداری میں کیوں نہ بسر کروں۔"

☆...... حدثنا علي بن أحمد الرزاز، قال: سمعت جعفر الخلدي يقول: سمعت الجنيد يقول: سمعت السَّريَّ السقطي يقول:

كُلُّ يَوْمٍ قَدْ مَضَى لا تجدُهُ
فاذَا كُنت به فَامْتَجِدِ)

سری سقطی: کہتے ہیں: "گزرے دن کو پھر نہ پا سکو گے، تو جب اسے گزار رہے ہو، تب ہی اسے قیمتی بنالو"

☆...... أخبرنا أبو الفتح محمد بن أحمد بن أبي الفوارس الحافظ، ثنا علي بن عبد الله بن المغيرة، ثنا أحمد بن سعيد الدمشقي، قال: قال عبد الله بن المعتز: تَنَاوَلُ الْفُرْصة الْمُمْكِنَةِ، ولا تَنْتَظِرْ غدًا فَمَن لِغَدٍ مِنْ حَادِثٍ بكَفِيل.

عبداللہ بن المعتز نے کہا: "ممکنہ موقعہ ضائع نہ کرو، "کل" کے انتظار میں نہ رہو، نامعلوم: "کل" پیش آنے والے حالات کیا رنگ بدلتے ہیں؟

☆...... أخبرنا الحسن بن أبي بكر، قال: أنبأنا عثمان بن أحمد الدقاق، ثنا إسحاق بن إبراهيم بن سنين، قال أنشدني عمر بن محمد بن أحمد:

أنْتَ في غَفْلَةِ الأمَلْ
لَسْتَ تَدْرِي مَتى الأجَلْ
لا تغرَّنْکَ صِحَّةٌ
فَهْيَ مِنْ أوْجَعِ العِلَلْ
كُلُّ نَفْسٍ لِيَومِهَا
صُبْحَةٌ تَقْطَعُ الأمَل

فَاعْمَلِ الْخَيْرَ واجْتَهِدْ

قَبْلَ أنْ تُمْنَعَ الْعَمَل

عمر بن محمد بن احمد نے یہ اشعار سنائے: ''تو امیدیں باندھے، غفلت کا شکار ہے، جبکہ یہ نہیں جانتا کہ موت، کسی بھی وقت آ جائیگی۔

یہ تندرستی تجھے دھوکے میں نہ رکھے، یہی تو انتہائی تکلیف دہ بیماری ہے۔

ہر نفس کیلئے کسی بھی روز ایسی صبح کا طلوع ہے جو اسکی ساری امیدوں پر پانی پھیر دے گی اچھے کام کر لے اور خوب کر لے، اس سے قبل کہ تجھ سے عمل کی قوت چھن جائے۔

☆...... أخبرنا محمد بن أحمد بن رو زق، قال: أخبرنا عثمان بن أحمد الدقاق، ثنا محمد بن أحمد بن البراء، قال: أنشدني عبد الله بن محمد الأشعري المديني لمحمود:

مَضَى أمْسُكَ الماضِي شَهِيدًا مُعدَّلاً

واصْبَحْتَ فِي يَوْمٍ عَلَيْكَ شَهِيدُ

فانْ كُنْتَ بالأمْسِ اقْتَرَفْتَ إساءةً

فَثَنِّ بإحْسَانٍ وأنْتَ حَمِيدُ

ولا تُرْجِ فِعْلَ الْخيرِ يَوْمًا إلى غَدٍ

لَعَلَّ غَدًا يأتِي وأنْتَ فَقِيدُ

فَيَوْمُكَ إن أعْتَبتَهُ عَادَنَفْعُهُ

عَلَيْكَ ومَاضِي الأمْسِ لَيْسَ يَعُودُ)

عبداللہ بن محمد الأشعری نے محمود کو یہ اشعار سنائے: ''تیرا گزشتہ کل بحیثیت ایک عادل گواہ گزر چکا، اور تیرے آج کے دن میں تجھ پر گواہ موجود ہے۔

اگر کل تجھ سے کسی برائی کا ارتکاب ہوا تھا تو اگلے روز نیکی کر لے، تو قابل تعریف رہے گا۔ آج کے نیکی کے کام کو کل پر مت چھوڑ مبادہ کہ کل آئے اور تو نہ ہو۔ اس حالیہ روز کا اگر تو نے محاسبہ کیا تو پھر اسکی منفعت یقینی ہے۔ اور گزشتہ کل پلٹ کے نہیں آ سکتا''۔

دوسراباب

وقت کی اہمیت علماء وصلحاء کی نظر میں

گزر گیا ہے جو عہد عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اس کی حسرت
قیام اسی کا سمجھ غنیمت جو وقت پیش نگاہ اب ہے
(اکبر الہ آبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کی قدر و قیمت

مولانا محمد محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
"مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ"

کسی چیز کو بھی ضائع کرنا بری بات ہے، لیکن اپنے وقت کو برباد کرنا سب سے زیادہ مکروہ بات ہے۔ قدرت نے اپنی جو نہایت ہی قیمتی نعمتیں انسان کو عطا کی ہیں، ان میں وقت کا شمار اول درجہ پر ہے۔ اس کو ایک حد تک انسان کی جان سے مشابہت ہے، جس طرح انسان کو روح زندگی میں صرف ایک مرتبہ ملتی ہے اور جسم سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی واپس نہیں آتی، اسی طرح "آج" زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ آتا ہے اور پھر گزر جانے کے بعد کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اپنے اس "آج" کو آپ نے کس بے دردی کے ساتھ ضائع کیا ہے؟۔

آپ اپنی نیند میں خلل کو ناپسند کرتے ہیں غذا و لباس کے معاملہ میں چاق و چوبند رہتے ہیں۔ یہ اچھی باتیں ہیں۔ لیکن وقت کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ زندگی کو بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ نیلسن (NELSON) دنیا کا مشہور ترین آدمی گزرا ہے۔ یہ کہا کرتا تھا کہ زندگی میں کامیابی کا راز صرف یہ ہے کہ میں اپنے ہر کام کے لیے وقت سے پندرہ منٹ پہلے تیار ہو جایا کرتا تھا، لارڈ میلبورنی (LARDELBOURNE) کا قول ہے کہ "ایک نوخیز نوجوان کے کانوں میں صرف ایک ہی بات پڑنی چاہیئے اور وہ یہ کہ زندگی میں تمھیں آپ اپنی راہ بنانی ہے، فاقہ مست ہو کر زندگی گزارتے ہو یا شکم سیر ہو کر، یہ تمام تر تمھاری ذاتی کوششوں پر موقوف ہے۔"

وقت کا صحیح استعمال صرف یہی نہیں کہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔ بلکہ انسان میں نیک سیرت، عمدہ خصلت اور حسین اخلاق پیدا کرنے میں بڑی تاثیر اور بڑا دخل رکھتا ہے۔

جیریمی ٹیلر (GEREMETRYLER) کا قول ہے:

''کبھی بھی سُست و کاہل نہ بنو'' اپنے وقت کے خانوں کو ٹھوس اور مفید و کارآمد مشغلہ سے بھرا رکھو۔ اس لیے کہ وقت کے جن گوشوں میں روح کے لیے کوئی کام ہوتا اور جسم کو مشغول رکھنے والا کوئی شغل نہیں ہوتا، ان خالی جگہوں میں نفسانی خواہش دبے پاؤں داخل ہو جاتی ہے۔' تجربہ بتاتا ہے کہ نفسانی ترغیب و تحریض کے موقع پر ایک مطمئن و بےفکر، تندرست و کاہل آدمی کبھی بھی پاکباز نہیں رہ سکا ہے شیطان کو اپنے آپ سے دور رکھنے میں تمام مشاغل میں سب سے زیادہ اہم اور مفید جسمانی مشغلہ ہے''۔

کیبل (KEBLE) کا کہنا ہے۔

''زمین اور وقت، جنت اور آخرت کی تیاریوں کے لیے ہیں جیسے کچھ ہمارے یہاں کے لمحات ہوں گے ویسے ہی ہماری یہاں کے بعد آخرت کی آنے والی زندگی ہوگی۔''

پس ایک انسان کی زندگی کا سب سے زیادہ رفیع و اعلیٰ جذبہ اور بلند ترین حوصلہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں جہاں تک ہو سکے اپنی جان و مال کو کھپائے، صرف یہی شکل دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

مگر یہ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ وقت کی قدر و قیمت سے بالکل ناآشنا ہے، ہمارا حال رومن فلسفی اور سیاست دان سنیکا (SENECA) کے الفاظ میں یہ ہے کہ

''ہم سب ہی وقت کی قلت اور اس کے مختصر سے مختصر ہونے کی شکایت کرتے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت کی اتنی بہتات ہوتی ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ ان فاضل اوقات کو ہم کہاں اور کس طرح صرف کریں۔ ہماری زندگی اس طرح گزرتی ہے کہ ہم یا تو بالکل کچھ کرتے ہی نہیں۔ یا جو کچھ کرتے ہیں وہ مقصد سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ یا جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ کہیں ہماری روش اس طرز کی ہوتی ہے، گویا زندگی کے دن کبھی ختم ہونے والے نہیں۔''

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں وقت کی قدر و قیمت نہیں وہاں کامیابی منہ نہیں دکھاتی۔ زندگی میں کامیابی و مسرت کے حصول کے لیے ٹھوس کام صحیح محنت اور مسلسل جانفشانی بنیادی چیز ہے، کوئی کتنا ہی ذہین کیوں نہ پیدا ہوا ہو، کتنا ہی غیر معمولی دل و دماغ، فطرت

کی جانب سے لے کر کیوں نہ آیا ہو اگر وہ محنتی و مستقل مزاج نہیں تو محض اس کی غیر معمولی ذہانت اسے زندگی میں کامیاب نہیں بنا سکتی۔ دنیا کے بڑے آدمی وہی ہوئے ہیں جنہوں نے مسلسل محنت کی ہے۔ خواہ بچپن میں ان کا شمار ذہین لڑکوں میں نہ ہوا ہو۔ ولنگٹن عام لڑکوں سے میں تھا۔ مگر محنت و مشقت نے ان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔

اسی لیے پریشیڈنٹ ڈوئٹ (PRESIDENT DWIGHT) غیر معمولی ذہانت (GENIUS) کی تعریف میں کہا کرتا تھا کہ وہ جدوجہد کرنے کی قوت وصلاحیت کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر معمولی ذہانت کی اگر کوئی کہانی بیان کی جاسکتی ہے تو وہ کہانی ہوگی مشکلات وموانع کے مقابلہ میں مسلسل جدوجہد اور سعی وکوشش کی۔ خود بڑے معیاری غیر معمولی دل ودماغ رکھنے والوں کا قول ہے کہ ذہانت وقابلیت، محنت ومشقت سے الگ کسی دوسری چیز کا نام نہیں۔

امریکہ اور روس کے لوگ ہم سے، آپ سے کچھ زیادہ اچھے دل ودماغ کے آدمی نہیں ہیں۔ اس معاملہ میں قدرت نے ان کے ساتھ فیاضی اور ہمارے ساتھ بخل نہیں کیا ہے۔ ان کی ترقی کا راز صرف یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں، ہر ممکن محنت و مشقت کرتے ہیں جو کام ان کے سپرد ہوتا ہے، اس کو دل وجان سے کرتے ہیں اور اپنی پوری صلاحیتیں اسی میں صرف کر دیتے ہیں۔ قدرت ایسے ہی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے۔ آج ساری کائنات ان کے زیر نگیں ہے۔

ہمارا مقصد وقت کی قدر وقیمت کو ذہن نشین کرنا تھا۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی مدیر ''صدق جدید'':

''جس کے کسی ایک لحہ کی بھی قیمت کے لیے بادشاہ ہفت اقلیم کا خزانہ کفایت نہیں کر سکتا، اور جس کی شان میں عارف رومی نے یہ فرمایا ہے۔

دادہ عمرے کہ ہر روزے ازاں
قیمت آں کس ندا اند در جہاں

وقت کی قدر وقیمت اور اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انسان کے اسلام کو خوبی ہی اس بات کو قرار دیا

ہے کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کرے اور اس کو مفید کاموں میں لگائے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه

ترجمہ: انسان کے اسلام کی خوبی بے کار چیزوں کا چھوڑ دینا ہے۔"

قرآن پاک میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (سورۃ المؤ منو ن)

ترجمہ: "اور (وہ مؤمنین یقیناً کامیاب ہیں) جو لغو چیزوں سے الگ رہنے والے ہیں۔"

اسی سے ایک مردمومن اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہوں میں اس کی عمر عزیز اور اس کے اوقات کی کیا اہمیت اور کیا قدر و قیمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو اہم سوالات ایک انسان سے ہوں گے، ان میں ایک اہم سوال اس کی عمر سے متعلق بھی ہوگا کہ اپنی زندگی کے لمحات اس نے کس طرح صرف کیے، جواب میں اگر اوقات کا صحیح مصرف بتایا گیا تو نجات ہوگی۔ ورنہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت کا صحیح مصرف کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے۔؟

اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے جس کی تعلیم مغربی تہذیب وتمدّن اور مغربی فلسفہ زندگی نے ہم کو دی ہے اور وہ یہ ہے۔

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

وقت کا وہی استعمال صحیح اور کارآمد ہے جو اس دنیاوی زندگی کے عیش و راحت کے حصول کا ذریعہ بنے، کسی وقت یا مشغلہ کے مفید و قیمتی ہونے کا صرف ایک ہی معیار ہے۔ دولت و ثروت کا ہاتھ میں آنا، جو چیز بھی اس کا ذریعہ بن سکے۔ وہ کسی زمانے میں کتنی ہی معیوب سمجھی جاتی رہی ہو، آج وہ مستحسن، قابل تعریف اور پسندیدہ ہے۔

اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لیے جگہ کی قلت کی وجہ سے صرف اسی ایک مثال پر اکتفا کیا جارہا ہے، ورنہ آج دنیا کی کون سی برائی ہے جو محض اس لیے حُسن بن گئی ہے کہ وہ ہماری مادی لذتوں کے لیے ذریعہ بنتی اور ہمارے لیے عیش و راحت کا سامان فراہم

کرتی ہے۔تجارت میں سیکڑوں طرح کے مکروفریب،خریدار کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا اوراس کی آنکھوں میں دھول جھونکنا،سودی کاروبار طرح کے،رشوت اور رشوت کی ہزاروں قسمیں،جھوٹ،دغا،خوشامد۔الغرض زر،زمین اورزن کے واسطے آج اس دنیا میں وہ سب کچھ ہورہا ہے جوشیطان کوخوش اوراللہ کوناراض کرنے والا ہے۔

(ماخوذ:ماہنامہ''ترجمان''کانپور)

بشکریہ''تعمیر حیات''لکھنؤ مورخہ۲۵/دسمبر ۱۹۹۳ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت کی اہمیّت

از عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صدیقی عارفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حکیم الامت مجدّد ملّت، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کی بڑی قدر تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فطرت ہی میں وقت کی اہمیت کو مضمر کر دیا تھا۔ حضرت کو ابتدا ہی سے وقت کے ایک ایک لمحہ کو صحیح اور برمحل استعمال کرنے کا اہتمام تھا چنانچہ اسی کی برکت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رشد و ہدایت اور علوم دین کی تبلیغ واشاعت کا ایک بہت گرانقدر اور بہت بڑا ذخیرہ ہمارے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے مہیا فرمادیا ہے۔ ہر وقت حضرت کی نظر گھڑی پر رہتی تھی اور نہایت سہولت اور بے تکلفی سے ہر کام کو جو نظام الاوقات کے تحت ہوتا تھا انجام دیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت ہمہ وقت بالکل فارغ ہیں اور جو کام کر رہے ہیں نہ اس میں عجلت کا شائبہ ہے اور نہ اس میں کسی فکر و کاوش کا اثر ہے۔ ساری عمر اپنے تمام معمولات اور ضروریات زندگی کو مقررہ اوقات میں ایک ہی انداز میں ڈھال لیا تھا۔

کسی کام کو جو دین اور دنیا کے لحاظ سے ضروری اور اہم ہو اس کو اس امید پر ملتوی کرنا کہ پھر کسی فرصت کے وقت اطمینان سے پورا کرلیں گے ایک بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ جس کام کا تقاضا اور داعیہ اس وقت پیدا ہوا ہے اس کو اسی وقت انجام دینا چاہیئے۔ پھر خدا معلوم موقع ملے یا نہ ملے، اور اس کام کو وقت پر پورا نہ کرنے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ اکثر ناقابل تلافی ہوتا ہے جس کے لئے انسان افسوس ہی کرتا رہتا ہے جس کا حاصل کچھ نہیں مگر ہم لوگ اکثر و بیشتر اپنے ضروری کاموں کو وقت کی قدر نہ ہونے کی وجہ سے ضائع کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہماری ساری عمر غفلت اور اس کا خمیازہ بھگتنے میں بسر ہو جاتی ہے۔ سچی بات یہ ہے وقت بڑے قدر کی چیز ہے، بلکہ یوں سمجھو کہ دین و دنیا کی دولت یہی ہے جس نے اس سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی۔

جوانی کا زمانہ اکثر غفلت کا زمانہ ہوتا ہے اور عاقبت اندیشی کی قابلیت کم لوگوں میں ہوتی ہے جب جوانی کے بعد اعصاب کمزور ہونے لگتے ہیں دل و دماغ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، طاقت اور ہمت جواب دے جاتی ہے اس وقت اکثر ہوش آتا ہے کہ ہماری پچھلی عمر بڑی کوتاہیوں اور خامیوں میں بسر ہوئی، اور آخرت کے لئے ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے اب کیا کریں، اور اگر کرنا بھی چاہیں تو اس کے لئے کوئی سامان نہیں ہے نہ دل دماغ ہے اور نہ ہمت ہے، نہ طاقت، یہ بڑی مایوسی اور بے چارگی کا عالم ہوتا ہے۔

لیکن مسلمان کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر لمحے کو قابل قدر بنا دیا ہے، مسلمان چاہے تو ندامت قلب کے ساتھ اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنی غفلتوں کی، کوتاہیوں کی اور خامیوں کی معافی چاہ لے اور تلافی کر لے ۔

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ توبہ کرنے والوں کے تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں، ساری عمر غفلت میں گزارنے کے بعد اب آخر عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا بھی بڑی نعمت ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں یہ سعادت عطا فرما دیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کریں اور تعلق پیدا کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ ان کے مقبول بندوں سے تعلق پیدا کرو۔ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی تدبیریں بتائیں گے۔ اور جو کچھ نقصانات تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اپنی روح کو پہنچا چکے ہو اس کے تلافی کی لئے تدبیریں بتائیں گے اور تمہاری مایوسیوں کو دور کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا امیدوار بنائیں گے۔ اور تم ان کی رہنمائی اور رہبری سے صراط مستقیم پر لگ جاؤ گے اور یہی علامت خاتمہ بخیر ہونے کی ہے۔

اس لئے تم خواہ کسی حالت میں ہو اور زندگی کے کسی دور میں ہو آخرت کے معاملہ کے لئے کبھی مایوس نہ ہو۔ کسی "اللہ والے" سے تعلق رکھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ شیطان کے فریب اور نفس کی شرارت سے حفاظت رہے ورنہ شیطان اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے ناامید کر کے

مسلمان کو کفر تک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت عطا فرما دیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ کسی ''اللہ والے'' سے تعلق پیدا کرو، اور فرائض وواجبات ادا کرنے کا اہتمام اور کچھ دیر ذکر اللہ یعنی ذکرِ لسانی اور ذکر قلبی کر لیا کرو، انشاء اللہ تعالیٰ روح میں قوت پیدا ہوگی ایک ایسا وقت ہوتا ہے، جب انسان ضعیف اور ناتواں ہو جاتا ہے لیکن ذکر اللہ اور طاعات وعبادات سے اس کی روح قوی اور جوان ہو جاتی ہے اور اس کو تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ دولت مسلمان کی دنیا وآخرت کے لئے بڑا سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

ہر چند پیر وخستہ وبس ناتواں شدم
ہر گاہ نظر بہ روئے تو کردم جواں شدم

(ملفوظات عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

حیاتِ مستعار کی قدر کرو
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبد الغفور عباسی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا: یہ دنیا فانی ہے۔ حیات مستعار ہے۔ چند لحظات ہے اس کی قدر کرو۔ ایک حقوق اللہ فی الاوقات ہیں جیسے صلوٰۃ جو مقررہ وقت پر پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے اور صوم اور زکوٰۃ اور حج یہ سب عبادات اپنے اپنے اوقات پر ادا ہوں گی۔ دوسرا حق الوقت ہے۔ وقت کا حق ہوتا ہے یہ اگر گزر گیا تو پھر اس کا عود آنا ناممکن ہے۔[1]
ہمارے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن
نماز صحبت یار را قضا نخواہد بود

---

[1] یعنی وقت کا حق یہ ہے کہ اسے ضائع نہ کیا جائے۔ اسے عبادات میں صرف کیا جائے ہر وقت کے لئے کوئی دین یا دنیا کا جائز کام مقرر ہونا چاہیئے اور مقررہ وقت پر ہر کام انجام پانا چاہیئے اس لئے نظام الاوقات بنانا ضروری ہے۔

صالحین کی صحبت میں اوراللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اگر وقت گزر گیا تو یہ شکر کے لائق ہے۔اوراگر (خدانخواستہ) وقت معصیت میں گزر گیا تواس کا حق یہ ہے کہ توبہ کرو، وقت کی قدر کرو، گزرا ہووقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔توبہ کرلو:

الو قت سیف اما ان تقطع او یقطعک

یعنی یہ وقت تلوار کی مانند ہے یا وہ تجھے کاٹے گا یا تو اس کو کاٹے گا۔اس وقت کو غنیمت سمجھو،تمام گناہوں سے پختہ توبہ کرو۔توبہ صرف زبان سے نہ ہو بلکہ تمام اعضاء کو شریعت کا پابند کرنا ہے۔آج ہم زبان سے توبہ کرتے ہیں اور چغلی بھی کرتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں،اورحرام بھی اڑاتے ہیں،تھیٹراورسینما بھی دیکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہمارا پیر کامل ہے یہ کیسی توبہ ہے، پیر کامل سے کون سافائدہ حاصل کیا؟

سبحہ درکف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید براستغفارِ ما

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

استغفا ر نا یحتا ج الی الا ستغفا ر و تو بتنا یحتاج الی التو بۃ .

ہماری توبہ توبہ کی محتاج ہے اور ہمارا استغفار استغفار کا محتاج ہے۔ایسی توبہ سے توبہ کرنی چاہیئے۔

اصرارعلی الکبیرہ (کبیرہ گناہ لگاتار کرتے رہنا) کفرتک پہنچاتا ہے۔آج اللہ تعالیٰ نے ہرقسم کی راحتیں دی ہیں۔ہمیں اس داڑھی کی سنت پرسختی سے عمل کرنا چاہیئے،اس متروکہ سنت کوزندہ کرنا چاہیئے۔یہ سنت آج کل بالکل مرچکی ہے۔اس کے زندہ کرنے سے سوشہیدوں کا اجر ملے گا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں جاتے تھے،درختوں کے پتے کھاتے تھے،تکلیفیں اٹھاتے تھے۔تب انہیں شہادت کا درجہ ملتا تھا،اب داڑھی کی سنت کوزندہ رکھنے سے گھر بیٹھے سوشہیدوں کا اجرمل جائے گااس سے بڑی نعمت اورکون سی ہے۔

(انوارِ غفوریہ مدنیہ ۲۴ تا ۲۶)

وقت گزارنے کا طریقہ بتلادوں گا

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور

ایک طالب علم نے ایک کھیل کے متعلق سوال کیا حضرت نے فرمایا کیوں کھیلتے ہو؟ اس نے جواب دیا وقت پاس کرنے کے لئے کھیلتے ہیں، اس پر فرمایا کہ وقت پاس کرنے کیلئے یہاں آجایا کریں، وقت گزارنے کا طریقہ بتلادوں گا، کتاب دیدوں گا کہ یہاں سے یہاں تک یاد کر کے سنائیں، اس کے بعد فرمایا وقت حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اسے غبار سمجھ کر پھینک دینا بڑی ناقدری ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے اشرفیوں کا ڈھیر کسی کے سامنے پڑا ہوا ہو اور وہ ایک ایک اٹھا کر پھینکتا رہے۔

ترا ہر سانس نخلِ موسوی ہے ☆☆☆ یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

(بحوالہ ملفوظات مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ الحدیث مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اور وقت کی قدر و قیمت

خطاب: حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی مدظلہم

حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی صاحب مدظلہم استاذ حدیث دارالعلوم کراچی کا نام نامی ان خوش نصیب افراد میں سرفہرست ہے، جن کی زندگیوں میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سحبان محمود صاحبؒ کے فیض صحبت نے سیرت و کردار کے گلشن مہکائے۔ حضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں طلبہ کے ایک اجتماع سے مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی مدظلہ نے جو نصیحت آموز خطاب فرمایا، استفادے کی غرض سے اسے نذر قارئین کیا جارہا ہے۔

قابل احترام حضرات اساتذہ کرام اور میرے عزیز طلبہ! ہم نے آج کی یہ مجلس اپنے شیخ و مربی اور مہربان استاذ کی یاد میں منعقد کی ہے، جس شیخ کی زندگی دار العلوم کی اڑتالیس سالہ خدمات پر محیط ہو اور جس کی زندگی ایک ایک لمحہ باعث عبرت اور قابل نصیحت ہو، اس کے حالات، سیرت و کردار، اخلاق، زہد و تقویٰ اور ایمان افروز نصائح کا مفصل تذکرہ چند ساعتوں میں کیسے ممکن ہوسکتا ہے دین کے چند شعبے ہیں، ایمانیات، عقائدٗ عبادات، معاملات اور اخلاقیات ان تمام شعبوں میں حضرت شیخ کی زندگی کا اگر کسی نے قریب سے مطالعہ کیا ہو، تو اس کو معلوم ہوگا کہ حضرت کی زندگی کا ہر ہر پہلو ایک ضخیم کتاب ہے۔

میرے عزیزو! میں باوجود یہ کہ ایک طویل عرصہ حضرت شیخ کے ساتھ وابستہ رہا لیکن حضرت شیخ سے جو فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا اس سے اپنے آپ کو محروم سمجھتا ہوں **انا للہ و انا الیہ راجعو ن** ہم حضرت کے چلے جانے پر تو **انا للہ وانا الیہ راجعو ن** پڑھ لیتے ہیں لیکن ہم اپنی اس محرومی پر بھی **انا لـلـہ واناالیہ راجعو ن** پڑھنے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہی اور غفلت کو معاف فرمائے اور استفادے میں جو کمی ہوئی ہے اس کے تدارک اور تلافی کی توفیق عطاء فرمائے۔

حضرت شیخ کی زندگی کو جہاں تک ہم نے دیکھا، سمجھا اور سمجھنے کی کوشش کی، اس سے ہم اپنی لاشعوری کی زندگی کے باوجود اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کی زندگی کو ہمارے لئے ہر اعتبار سے ایک کامل نمونہ بنایا ہے ہم نے تابعین، تبع تابعین، حضرات محدثین، فقہاء کرام، مفسرین عظام، صوفیاء کرام، اولیاء کرام کو نہیں دیکھا لیکن یقین سے کہا جاسکتا ہے ہمارے حضرت شیخ کی زندگی اسلاف کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھی۔

حضرت کی زندگی کی کس کس بات کا ذکر کیا جائے البتہ ایک اہم باب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں حضرت جب تہجد کے وقت اٹھتے اس وقت سے لے کر رات آرام فرمانے تک حضرت کے سونے جاگنے اور کام کرنے کے علاوہ جو معمولات تھے، ان کے بارے میں ہم شاگردوں عام دیکھنے والوں، یہاں تک کہ ان کے اہل خانہ بھی شاید یہ نہیں کہہ سکتے کہ چوبیس گھنٹوں میں ان کا ایک لمحہ بھی ضائع ہوا ہو۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ایک حقیقت ہے لوگ محبت و عقیدت میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں لیکن بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

حضرت نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کی صحیح معنوں میں قدر کی ہے، اور اسی مناسبت سے میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں قرآن کریم کی آیت'' **والعصر ان الا نسان لفی خسر** '' کا حوالہ دیا

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا۔ جنہوں نے برف کی دکان میں پگھلتی ہوئی برف کو دیکھ کر اس آیت مبارکہ کا صحیح مطلب سمجھا کہ اس زندگی کی مثال بھی برف جیسی ہے۔

برف کی طرح انسان کی زندگی بھی مسلسل پگھل رہی ہے جس نے اس سے فائدہ اٹھالیا، وہی کامیاب رہا، ورنہ نقصان اور خسارہ انسان کا مقدر ہوگا، قرآن کریم نے فرمایا زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے یعنی زمانے کے برف کی طرح پگھلنے کے اعتبار سے انسان خسارے میں ہے البتہ وہ انسان خسارے سے مستثنیٰ ہے جس نے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندگی گزاری اور'' **تو اصوابا لحق** '' اور'' **تو اصوابا لصبر** '' کی نصیحت پر عمل کیا۔

میرے عزیز دوستو! ہم نے اپنے شیخ کو قرآن کریم کی اس تعلیم کی رو سے کامیاب ترین زندگی گزارتے دیکھا ہے کہ وہ اپنی تمام تر ذمہ داریوں کے باوجود زندگی کے ایک ایک لمحے کی صحیح قدر و قیمت پہچان کر اس دنیا میں رہے، زندگی کا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر ہم سے رخصت ہو گئے۔

میرے عزیز دوستو! اس فانی دنیا سے سب کو جانا ہے، لیکن جانے کا انداز مختلف ہوتا ہے، کوئی جاتا ہے لیکن اس کی زندگی میں کسی کے لئے کوئی نمونہ نہیں ملتا اور ایک وہ بھی جاتا ہے جو اپنی ساری زندگی کو دوسروں کے لئے قابل رشک نمونہ بنا کر جاتا ہے، ایسے لوگ بھی اس دنیا سے جاتے ہیں جن کے جانے سے نہ زمین روتی ہے اور نہ آسمان۔ فرعون اور آل فرعون کے بارے میں قرآن کریم نے یہی فرمایا ہے لیکن اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں جن کے اس دنیا سے چلے جانے سے صرف ہم اور آپ ہی آنسو نہیں بہاتے بلکہ زمین و آسمان بھی ان کے سانحہ ارتحال سے نوحہ کناں اور زخم خوردہ ہوتے ہیں اور اپنے حال کے آنسو بہاتے ہیں۔

حدیث شریف کے مطابق اللہ کا نیک بندہ جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو زمین کا وہ حصہ اس کی یاد میں روتا ہے، افسوس کرتا ہے، جس میں وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا تھا۔ آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں، جن کے ذریعہ اس کے نیک اعمال اللہ تک پہنچائے جاتے تھے اور جن سے اللہ کے اس نیک بندے کے لئے خیر کے فیصلے نازل ہوتے تھے۔

میرے دوستو! حضرت شیخ کے ساتھ محبت وعقیدت اور تعلق خاطر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے کام اور ایسے اعمال کریں، جن سے حضرت کی روح کو نشاط حاصل ہو، اور حضرت کے فیوض وبرکات سے ہمارا رابطہ قائم ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ صرف زبانی اظہار عقیدت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ صحیح عقیدت ومحبت کا حق یہ ہے کہ ان کی زندگی کو اپنے لئے لائحہ عمل اور نمونہ بنایا جائے۔ یہ کام غیر اختیاری نہیں، اختیاری ہے، ہمیں چاہیئے کہ شب وروز کا ایک نظام اور پروگرام بنائیں، اپنے اوقات کا ایک نظم مقرر کریں کہ مجھے رات کو کیا کرنا ہے، دن کو کیا کرنا ہے، صبح کو کیا کرنا ہے اور شام کو کیا کرنا ہے اس طرح جب آپ اپنے اوقات کا ایک نظم بنائیں گے تو آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوگا اور یہ زندگی برف کی طرح پگھل کر ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شیخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر وقیمت پہچاننے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

سحبان الامت رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳۶ تا ۱۳۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پابندی وقت

خطاب:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتھم

وہ ہمارے بڑے محسن ہیں اس دار العلوم کے محسن ہیں دار العلوم کے تمام اساتذہ اور طلبا کے محسن ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے" آمین" اللہ تعالیٰ نے وقت کا اتنا پابند کیا تھا کہ صف اول میں نماز اور تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی پرسوں ترسوں میں نے دیکھا کہ کسی ایک رکعت میں مسبوق ہو گئے تھے برسوں کے بعد نظر پڑی ورنہ کبھی مسبوق ان کو نہیں دیکھا گیا تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہیں ہوتی تھی صف اول میں ہوتے تھے ۷۲ سال کی عمر تھی جب رخصت ہوئے فجر کی نماز کے بعد ان کی سیر کا معمول تقریباً آدھا گھنٹہ وہ کبھی فوت نہیں ہوتا تھا گرمی ہو یا سردی برسات ہو یا ویسے کیسا موسم گھومنے کا معمول کبھی قضاء نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ ایسا دیا تھا کہ نوجوانوں کو رشک آتا تھا ان کے حافظے پر، اسباق کی اتنی پابندی کرتے تھے کہ سبق پڑھانے کا ادھر گھنٹہ بجتا اور انکا قدم دروازے پر ہوتا تھا گھنٹہ بجنے کے ساتھ درسگاہ میں ان کا قدم ہوتا تھا کبھی ایک منٹ ادھر ادھر شاذ و نادر کبھی ایک دو منٹ آگے پیچھے ہو گئے آج بھی میرا جس وقت سبق ہوتا ہے دوسرے گھنٹے میں ۹ بجے سے دس بجے تک، تو دس بجے ان کا سبق شروع ہوتا تھا اسی کلاس میں، تو روزانہ کا ہمارا معمول یہ تھا کہ جب میں دروازے سے نکلتا تھا تو وہ تشریف لاتے تھے اندر، تو دروازے پر مختصر سا کوئی مشورہ کرنا ہوتا تھا تو مشورہ بھی ہو جاتا تھا ابھی پرسوں جمعرات تھی بیچ میں جمعہ آ گیا تو ایسے ہی چھوٹا سا کوئی مسئلہ تھا دار العلوم کے انتظامی معاملات کے متعلق، تو میں نے کہا یہ مسئلہ مشورہ طلب ہے کیا رائے ہے آپ کی تو میں نے کہا آپ سوچ لیں پھر بعد میں آپ سے پوچھ لوں گا۔

آج میں صبح جب درس میں جا رہا تھا سبق میں تو یہ سوچ کر جا رہا تھا کہ سبق سے فارغ ہو کر کہیں بھول نہ جاؤں حضرت سے پوچھنا ہے کہ اس کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟ سبق کے دوران ہی پرچہ ملا دفتر سے آیا تھا، دفتر تعلیمات سے محرر نے لکھا تھا

کہ حضرت کی طبیعت کچھ ناساز ہو رہی ہے اور سانس پر کچھ اثر ہے اس لئے سبق نہیں پڑھائیں گے ایسا پہلے بھی بار بار ہوا ہے کہ درس میں انکا پرچہ آجاتا تھا کہ مجھے آج بڑا کوئی مشغلہ ہے مصروفیت ہے سبق نہیں پڑھا سکوں گا یا طبیعت ناساز ہے پرچہ میں کوئی کسی غیر معمولی تکلیف کا ذکر نہیں تھا تو طلبہ کو میں نے بتایا کہ حضرت کی طبیعت ناساز ہے اور اس گھنٹے میں بھی میں نے اپنا سبق جاری رکھا جیسے پہلے ہوتا تھا کہ جب وہ گھنٹہ نہیں پڑھا سکتے تھے تو ہم پڑھاتے رہتے تھے۔

(سبحان الامت رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۷ تا ۳۸)

☆......وقت پر پہنچنا اور ہر کام اپنے وقت پر کرنا یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا خاص وصف تھا مسجد کی صفِ اوّل میں کونے کی جگہ حضرت کے لئے گویا مخصوص تھی۔ پہلے اذان کے فوراً بعد اور اب بڑھاپے میں اقامت سے پہلے حضرت اپنی جگہ مسجد پہنچ جاتے، طلباء حضرت کے لئے جگہ خالی کر کے رکھتے اور حضرت صفِ اوّل میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتے، پانچ نمازوں میں منٹوں اور سیکنڈوں کی یہ پابندی مسلمان کی باقی زندگی بھی منظم کر دیتی ہے چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باقی زندگی بھی اسی طرح منظم تھی۔ٹھیک اپنے وقت پر حضرت اپنا درس شروع کر دیتے کسی خاص عذر کے بغیر حضرت کبھی تاخیر نہ کرتے۔مشورے کی خصوصی مجالس ہوں یا جامعہ کی عمومی تقریبات حضرت ہمیشہ اپنے وقت پر تشریف لے آتے، ان کے چھوٹے شاگرد بلکہ شاگردوں کے شاگرد بھی عمومی تقریبات میں تاخیر سے پہنچتے مگر حضرت کبھی ان کے طرز عمل سے متاثر نہ ہوتے۔بسا اوقات مشورہ کی مجالس میں حضرت تنہا اپنے وقت پر پہنچ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے، آنے والے وقتاً فوقتاً آتے رہتے اور حضرت ذکر اللہ میں مصروف رہتے۔ جب سارے حضرات جمع ہو جاتے تو مشورہ شروع ہوتا۔بسا اوقات ایک ایک گھنٹہ کی تاخیر ہو جاتی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگلی مجلس میں پھر اپنے وقت پر پہنچتے اور دوسروں کے طرزِ عمل سے خود متاثر نہ ہوتے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تحمل کی اس ادنی مثال وہ یہ ہے کہ وہ دیر سے آنے والوں پر کبھی لطیف انداز سے گرفت کرتے تو کرتے لیکن کبھی سخت اور تند لہجہ میں ان سے مخاطب نہ ہوتے اور ان کی اس عادت کو طرح دے جاتے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت کو اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ میرا وقت ضائع

نہیں ہوا کیونکہ میں وعدہ کے مطابق پہنچ کر بری الذمہ ہوگیا ہوں۔ اور جو وقت گزرتا اس میں حضرت دوسروں پر تنقید کے بجائے ذکر اللہ میں منہمک رہتے اور ایک ایک لمحہ کو اپنے رب کریم کے ساتھ رابطہ کا ذریعہ بنا کر ان اوقات کی اپنے پروردگار سے پوری پوری قیمت وصول کر لیتے۔ (سبحان الامت رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۳ تا ۱۲۴)

☆..... حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ وقت کی پابندی کا بہت ہی اہتمام خود بھی کرتے اور ہم متعلقین کو بھی اس کی ہر وقت تاکید فرماتے تھے کہ بھائی وقت اللہ کی امانت ہے اس کو سوچ سمجھ کر استعمال کیا کرو اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا حساب ہوگا تو جواب کیا دو گے۔ صبح سے رات تک کے تمام کاموں کا ایک وقت متعین تھا اسی میں وہ کام انجام دیتے صبح نماز کے بعد روزانہ ٹہلنے کا معمول تھا اس کا ایک وقت متعین تھا اس طرح دفتر میں آنے اور جانے کا ایک متعین وقت تھا گھر کے معمولات کے بھی اوقات طے تھے حضرت اکثر ہم لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگوں نے مجھے کبھی کوئی کام جلد بازی میں کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔

دورہ حدیث میں آپ کا بخاری شریف کا درس ۱۰ بجے شروع ہوتا تھا وہاں سبق کا گھنٹہ بجا اور یہاں آپ درسگاہ کے سامنے تشریف لے آتے کبھی کسی نے آپ کو معمولی تاخیر سے آتے ہوئے نہیں دیکھا اگر کبھی دارالعلوم کی کسی تقریب یا مشورہ میں شرکت کرنی ہوتی یا بیان کیلئے کہیں جانا ہوتا یا کسی کی دعوت پر جانا ہوتا تو جو وقت طے ہوتا اس سے ایک لمحہ کی تاخیر بھی آپ کو گوارا نہیں ہوتی پوری کوشش فرماتے کہ متعینہ وقت پر آپ اس مقام پر موجود ہوں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہر جگہ دیر سے پہنچنے کی عادت متکبرین کی ہوتی ہے اپنے اندر انکساری پیدا کرو بڑائی اللہ رب العزت کی صفت ہے۔

(سبحان الامت رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۹۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت کی قدر و قیمت

از شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْن فِيهِمَا كَثِيْر مِنَ النَّاسِ الصَّحةُ وَالفَرَاغُ ﴾

ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جس سے لوگ استفادہ نہیں کرتے اور اس کی قدر نہیں کرتے، ایک صحت، دوسری فراغت۔ (صحیح بخاری، سنن ترمذی)

عام طور پر صحت اور فراغت کی قدر نہیں ہوتی، طلبہ کی یہ عمر ایسی بہترین ہوتی ہے کہ وہ قابل رشک صحت کے مالک ہوتے ہیں، کیونکہ بعد میں طرح طرح کے امراض آتے ہیں، مصائب گھیر لیتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں جو فراغت ہوتی ہے بعد میں اس کا تصور مشکل ہوتا ہے، بعد میں ذمہ داریاں لگ جاتی ہیں اور وقت خرچ کرنا پڑتا ہے اور وہ فراغت نہیں رہتی، اس لئے اس وقت کی قدر کرنی چاہیئے لیکن انسان کی طبیعت ہے کہ وقت گزرنے کے بعد کف افسوس ملتا رہتا ہے لیکن پھر کچھ نہیں بنتا، آدمی کے سنورنے کے لئے ایک بڑی قیمتی شئی اہم بات اور ضروری راز یہ ہے کہ وقت ضائع نہ کرے، وقت کی حفاظت کرے۔

احکام شریعت میں وقت کی پابندی کا اہتمام:

عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان وقت کی پابندی کو جس کا اہتمام احکام شریعت میں بہت ہوا ہے یکسر نظر انداز کردے یہ عجیب بات ہے، کیوں؟ اس لئے کہ آپ کی نمازوں میں وقت کی پابندی ضروری ہے، نماز ایک دن میں پانچ مرتبہ ہے اور انسان روزانہ پانچ مرتبہ وقت کی پابندی کرے اور پھر بھی اہمیت وقت سے غافل رہے۔
کتنی عجیب بات ہے! روزہ سال میں ایک مرتبہ آتا ہے، حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے، لیکن نماز میں تو روزانہ کی پابندی کی تعمیل کرائی جاتی ہے، مشق کرائی جاتی ہے،

''حافظوا علی الصلوات''(سورۃ البقرۃ : ۲۳۸)

یہ وقت کی پابندی ہی کا ذکر ہے، اور الحمد للہ کہ اس کی پابندی کرتے بھی ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً ﴾

(سورۃ النساء : ۱۰۳)

یہ بھی وقت کی پابندی ہی کا ذکر ہے کہ وقت کا لحاظ بہت ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: ای العمل احب الی اللہ؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلوٰۃ علی وقتها

(دیکھیئے صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب فضل الصلوٰۃ لوقتها ۱/ ۷۵. ۷۶)

اسی طرح روزہ ہے آپ شعبان میں روزہ نہیں رکھتے، شوال میں نہیں رکھتے، رمضان ہی میں رکھتے ہیں اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک رکھتے ہیں، تو اس میں بھی وقت کی پابندی اور رعایت ہے اسی طرح زکوٰۃ میں بھی وقت کی رعایت ہے، حج میں بھی وقت کی رعایت ہے حتی کہ طلاق کا وقت بھی مقرر ہے طہر میں وطی سے پہلے، عدت کے لئے وقت مقرر ہے۔ حائضہ کے لئے تین حیض، آئسہ (جسے حیض نہیں آتا) کے لئے تین مہینے، حاملہ کے لئے وضع حمل، اور دیگر امور شرعی میں بھی وقت کی رعایت ہے۔ شریعت مطہرہ نے وقت کی پابندی کا اس قدر اہتمام کیا ہے تو ہمیں بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

(مجالس علم وذکر)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت کی اہمیت

از محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتھم

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے
غنیمت سمجھ زندگی کی بہار
آنا نہ ہوگا یہاں بار بار

جوانی کی قدر کریں:

ارشاد فرمایا ۔یث پاک میں آتا ہے۔''جوانی کی قدر کرو بڑھاپے سے پہلے'' جسمانی قوتوں کے عروج کا نام جوانی ہے۔جوانی کا وقت انسان کے لئے بڑا ہی قیمتی ہوتا ہے۔ذرا غور کریں کہ بعض چیزیں مقدار کے لحاظ سے ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن قیمت کا کتنا فرق ہوتا ہے۔ایک من مٹی بھی ایک من ہی ہے، ایک من تانبا بھی ایک من ہی ہے، ایک من سونا بھی ایک من ہی ہے۔وزن سب کا ایک جیسا ہے مگر قیمت سب کی علیحدہ ہے۔مٹی کی قیمت اور ہے، سونے کی قیمت اور ہے۔اسی طرح جوانی کا عمل سونے کی طرح ہے اور بڑھاپے کا عمل مٹی کی طرح ہے۔بڑھاپے کی توبہ اور عبادت بھی نعمت ہے لیکن جوانی کی توبہ کے کیا کہنے۔جوانی میں توبہ تو ولیوں کا شیوہ ہے۔حدیث شریف کا مفہوم ہے ''سات قسم کے لوگ قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے ان میں سے ایک وہ نوجوان بھی ہوگا جو جوانی میں عبادت گزار ہوگا۔''

فرصت کے لمحات غنیمت ہیں:

ارشاد فرمایا، حدیث پاک کا مفہوم ہے ''فرصت کو غنیمت جانو مصروفیت سے پہلے۔'' آج یہ وقت ہے کہ لوگ اپنا وقت گزارنے کیلئے فضول قسم کی مصروفیات ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ وقت کٹ جائے۔جو سچا مسلمان ہوتا ہے وہ نیکی کے کام کر کے اپنے آپ کو تھکاتا ہے۔وہ تو ہر وقت آخرت کے کاموں میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا وقت کھانے پینے میں مصروف ہوتا ہو اس پر بھی

افسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میں مطالعہ نہیں کرسکتا۔ ہمارے سلف صالحین کی مصروفیات ایسی ہوتی تھیں کہ وہ اپنے ہر لمحے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو وقت گزر گیا وہ دوبارہ کسی صورت میں نہیں مل سکتا اس لئے وہ وقت کو سب سے قیمتی متاع سمجھتے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے کو آخرت کا سرمایہ سمجھتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اور کوئی نہ کوئی نیکی کا کام کرتے رہتے تھے۔

؎ یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

چھٹی کا دن:

ارشاد فرمایا، یہ زندگی بہت اہم ہے۔ یہاں لمبی تان کر نہ سوئیں کیونکہ جو بہت سوتے ہیں وہ اپنا وقت کھوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ چھٹی کیلئے پلان بناتے ہیں کہ اس دن کو کس طرح لہو ولعب میں گزارنا چاہیئے۔ اصولی طور پر تو چھٹی کے دن بھی کوئی تعمیری کام کرنا چاہیے۔ کسی کا دل خوش کرلیں، عبادت کرلیں، دین کی ضروری باتیں پڑھ لیں، سمجھ لیں۔ ہمارا ایک ایک منٹ ہیرے موتی اور جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا:

ارشاد فرمایا، میری یہ باتیں ذرا دل کے کان کھول کر سنیں بلکہ اپنے ذہن میں لکھ لیں کہ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے۔ جو وقت یاد الٰہی میں گزر گیا وہ زندگی ہے ورنہ تو سراسر شرمندگی ہے زندگی کو شرمندگی بنانے سے بچایئے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے دی گئی ہے۔ اگر اس زندگی میں سب کو راضی کرلیا، ماں باپ، بیوی بچوں کو راضی کرلیا لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوئی فکر نہ کی تو زندگی عذاب بن جائے گی۔ سوچیں کہ ہمیں سب کو راضی کرنے کی فکر ہے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ سب سے بلند ہے اور اسے اتنی کم اہمیت دے رہے ہیں اس بات کا قیامت میں کیا جواب دیں گے۔ زندگی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور یاد میں گزر جائے۔

؎ دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے
جو تیری یاد میں گزر جائے

(مجالس فقیر)

وقت کی حفاظت

ازولی کامل حضرت اقدس حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وقت کی تیز رفتاری

فرمایا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آج کل ''وقت'' بڑی تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے، صبح شام، صبح کچھ پتہ بھی نہیں چلتا۔ پڑھنے کے زمانہ میں دن پہاڑ لگتا تھا، اب تو گزرتے ہوئے کچھ دیر ہی نہیں لگتی ہے۔ ایک دن بال سفید ہو گئے، ایک دن ہوا کہ صاحب کے دانت ٹوٹ گئے۔ چل رہے ہیں کہ جناب ''ویزا'' ختم ہو گیا اور آ گئے عزرائیل علیہ السلام یہ کہتے ہوئے کہ چلئے وقت ختم ہو چکا ہے اور پھر ہوا یہ کہ۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو اس وقت سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزر جائے گا۔ اس لئے جو بھی وقت مل رہا ہے اسے غنیمت جانے اور اس کی پوری حفاظت اور قدر کرے۔

ع۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

۔ لمحے کو زندگی کے لئے کم نہ جانئے — لمحہ گزر گیا تو سمجھئے صدی گئی

۔ ایک پل کو رکنے سے دُور ہوگئی منزل — صرف ہم نہیں چلتے راستے بھی چلتے ہیں

دانشمندی کی بات

فرمایا: انسان کی دانشمندی اور ہوشیاری کی بات ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو ہمیشہ سامنے رکھے جس میں آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو:

(۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (۲) صحت کو بیماری سے پہلے۔
(۳) خوشحالی کو ناداری وافلاس سے پہلے (۴) فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔
(۵) زندگی کو موت سے پہلے۔

ترقی کا زینہ

وقت کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال کے سلسلہ میں راقم الحروف عرض کرتا ہے:
مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوست وکیل صاحب تھے۔ یہ میرٹھ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ وکیل صاحب میرٹھ سے کاندھلہ مولانا کاندھلوی سے ملنے آئے۔ مولانا نے وکیل صاحب سے خواہش کی کہ آپ واپسی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے ہوئے جائیں جب یہ پہنچے تو صبح کا وقت تھا۔ یہ وقت حضرت شیخ الحدیث کے لکھنے پڑھنے کا تھا۔ اپنے اس معمول کے حضرت شیخ ایسے پابند تھے کہ کبھی اس میں فرق نہیں لاتے۔ ایک مرتبہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کے موقع پر خلاف معمول احتراماً بیٹھ گئے تو سر میں درد ہونے لگا اور اجازت لے کر اُوپر حجرے میں گئے اور چند سطریں لکھ کر آئے تو سر کا درد رفع ہوا وکیل صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت شیخ نے اپنا معمول بتا دیا اور فرمایا کہ میں اس وقت بات نہیں کر سکتا ۱۱/۲ ۱ بجے کے بعد انشاء اللہ ملاقات ہوگی، اور اُوپر اپنے لکھنے کے مخصوص حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ ۱۱/۲ ۱ بجے نیچے اُترے۔ دوپہر کے کھانے میں وکیل صاحب کو بلایا، وہ آئے اس وقت حضرت کی طبیعت خوب چلتی تھی اور پُر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔ وکیل صاحب سے فرمایا کہ آپ وکیل ہیں، بتایئے اگر آپ دیکھنے میں مشغول ہوں اور کوئی آپ سے آکر بات کرنا چاہے تو آپ اسے پسند کریں گے؟ گویا حضرت شیخ نے اپنے جملہ سے بتانا چاہا کہ اہم مصروفیت اور مقررہ معمول کے وقت بات اور ملاقات سے احتراز کر کے ہی ایک انسان اپنے فریضہ کو انجام دے سکتا ہے۔ اس جملہ کے بعد اور بھی حضرت شیخ نے وکیل صاحب سے باتیں کیں۔ یہ تمام باتیں نہایت بے تکلفی کے ساتھ ہوئیں۔ کھانے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب انشاء اللہ عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ چنانچہ عصر کے بعد وکیل صاحب مجلس میں تشریف لائے اور اس وقت کا بھی منظر دیکھا۔

دوسرے دن وکیل صاحب میرٹھ واپس آگئے ۔وہاں سے اسی دن انھوں نے مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ:۔

”آپ نے مجھے ایک ایسے شخص کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری ملاقات صبح کے وقت ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے ۔اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت اور مرشدِ کامل معلوم ہوتا ہے وکیل صاحب نے آخر میں لکھا کہ ”میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک آدمی میں مجھے تین آدمی دکھادیئے۔“

اس واقعہ پر اپنی طرف سے کچھ تبصرہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں کہ: اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو۔ اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیے۔۔۔بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیئے ۔میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر کسی وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟

کیسے گلے رقیب کے، کیا طعنِ اقرباء
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر دروازہ بند ہوجایا کرتا تھا۔ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے ”بیان القرآن“ لکھنے جارہا ہوں۔اس وقت میرا یہی معمول ہے(حالانکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد تھے) چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔“

راقم عرض کرتا ہے کہ تقسیم کار اور اوقات و معمولات کی پابندی کے بغیر کوئی فریضہ ذمہ دارانہ طریقہ پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔آپ بھی اپنی زندگی میں اس کا خیال رکھیئے

اور جو لوگ اس کے عادی ہیں ان کا بھی لحاظ رکھیئے۔ بقول حضرت شیخؒ "یہ ہر طرح کی ترقی کا زینہ ہے۔" (صحبتے با اولیاء)

کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

فرمایا: بھائیو! آج حیدر آباد سے میری روانگی کا دن ہے۔ دیکھئے وقت کتنی تیزی کے ساتھ گزر گیا۔ آخر دن گزرتے گزرتے گزر ہی جاتے ہیں۔ ہر آنے والا دن ہماری زندگی کا ایک دن کم کرتا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس حقیقت پر نظر رکھتے ہیں۔ ایک شعر تو بہت مشہور ہے مگر ہے بڑا معنی خیز اور حقیقت آفریں۔ شاعر کہتا ہے ۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم　　رفتہ رفتہ، چپکے چپکے دم بدم

ایک برف کا تاجر تھا، وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے خریدارو تم برف جلدی آکر خرید و اگر تم نے دیر کی تو میری یہ پونجی ختم ہو جائے گی اور برف آہستہ آہستہ پگھل جائے گی۔ پھر ہمارے ہاتھ کچھ نہیں رہے گا۔۔۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جسے زندگی عطا فرمائی ہے اسے بھی چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اسے سوچنا چاہیئے کہ برف کی طرح میری زندگی ہر آن اور ہر لمحہ پگھل رہی ہے، یہاں تک کہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کہ زندگی ختم ہو اسے کام میں لے آنا اور اعمال صالحہ سے اپنے وقت کو مسعود بنانا یہ ہے انسان کی کامیابی۔ وگرنہ اسے عظیم نقصان اور خسران اُٹھانا پڑے گا۔ اس لئے وقت کا صحیح استعمال کیجئے، خدا کی رضا والا کام کرتے رہیئے۔ یوں آپ دنیا سے رخصت ہوں گے تو مرنے کے بعد بھی دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی ۔

دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے، نہ وہ دنیا کے لئے کوئی

عمل کرے، نہ آخرت کے لئے''۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''جو زمانہ گزر چکا وہ تو ختم ہو چکا، اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آئندہ زمانہ کی طرف اُمید کرنا، بس اُمید ہی ہے۔ تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے، بس اس کی قدر کرلو''۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قیمتی جملہ لوحِ دل پر نقش کر لیجئے کہ:
''فرصتِ عمر نعمتِ مغتنم ہے، ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہئے
ساری عمر تحصیلِ کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیئے۔''

(باتیں اُن کی یاد رہیں گی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت ایک نعمت

از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نعمتا ن مغبو ن فیهما کثیر من النا س الصحة و الفرا غ "

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحة والفراغ حدیث نمبر ۶۰۴۹)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت اور تندرستی ہے، اور دوسری نعمت فراغت اور فرصت ہے یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں اس وقت تک انسان اس دھوکے میں پڑا رہتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، چنانچہ جب تک تندرستی کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی بیماری آئے گی۔

فراغت کا زمانہ ہے اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مصروفیت اتنی زیادہ ہو جائے گی اس لئے جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرما دیتے ہیں یا فراغت عطا فرما دیتے ہیں وہ دھوکے میں اپنا وقت گزارتا رہتا ہے، اور اچھے کاموں کو ٹالتا رہتا ہے، اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے۔

صحت کی قدر کرلو

یہ صحت کی نعمت جو اس وقت حاصل ہے، کیا معلوم کہ کب تک یہ حاصل رہے گی۔ کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت بیماری آجائے، اور کیسی بیماری آجائے، لہٰذا نیکی اور خیر کے کام کو اور اپنی اصلاح کے کام کو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے کام کو، آخرت کی فکر کو اسی زمانے کے اندر اختیار کرلو، کیا پتہ پھر موقع ملے یا نہ ملے

ارے جب بیماری آتی ہے تو پہلے نوٹس دے کر نہیں آتی اللہ تعالیٰ بچائے اچھا خاصا چنگا بھلا تندرست انسان ہے مگر بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو گیا۔ اور اب چلنے پھرنے

کی بھی طاقت نہیں، اس لئے یہ زمانہ ٹلا کر نہ گزارو، بلکہ جو نیک کام کرنا ہے، وہ کر گزرو، یہ صحت اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کو اس عالم کے لئے استعمال کرو، جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، لیکن اگر تم نے اس صحت کو گنوادیا۔ اور بیماری آگئی۔ تو پھر عمر بھر سر پکڑ کر روؤ گے، اور حسرت اور افسوس میں مبتلا رہو گے کہ کاش، اس صحت کے عالم میں کچھ کام کر لیا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت اور افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس لئے ان نعمتوں کی قدر کرو۔

صرف ایک حدیث پر عمل

یہ حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے یہ "جوامع الکلم" میں سے ہے، اور غالباً امام ابوداؤد رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چند حدیثیں ایسی ہیں کہ اگر انسان صرف ان چند حدیثوں پر عمل کرلے تو یہ اس کی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اس حدیث سے شروع فرمائی ہے، اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں "کتاب الرقاق" کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے سے تنبیہ فرمارہے ہیں بعد میں تنبیہ تو خود ہو جاتی ہے، لیکن وہ تنبیہ اس وقت ہوتی ہے، جب تدارک کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں، اور ہماری نفسیات اور رگوں سے واقف ہیں۔ وہ فرمارہے ہیں کہ دیکھو، اس وقت جو تمہیں صحت اور فراغت کا جو عالم میسر ہے۔ پھر بعد میں رہے یا نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ حسرت کا وقت آجائے۔ اس کو کام میں لگالو۔

"ابھی تو جوان ہیں" شیطانی دھوکہ ہے

یہ "نفس" انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ میاں۔ ابھی تو جوان میں ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، ابھی تو ذرا مزے اڑالیں۔ پھر جب موقع آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے، اور اس وقت اصلاح کی فکر کرلیں گے ابھی کیا رکھا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نفس وشیطان کے اس دھوکہ میں نہ آؤ، جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، اس لئے کہ یہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے، عمر کے یہ لمحات جو اس وقت انسان کو میسر ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کو برباد اور ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو آخرت کے لئے استعمال کرو۔

کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جب انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ ہمیں ایک مرتبہ اور دنیا بھیج دیں، ہم نیک عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے۔

﴿ اَوَلَم نُعَمِّر کُم مَایَتَذَ کَّرُفِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَوَجَآءَ کُمُ النَّذِیْرُ ﴾

(سورہ فاطر ۳۷)

ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، صرف یہ نہیں کہ عمر دے کر تم کو ویسے ہی چھوڑ دیا، بلکہ تمہارے پاس ڈرانے والے تنبیہ کرنے والے بھیجتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام بھیجے، اور آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور وارثین تمہیں مسلسل جھنجھوڑتے رہے، اور تمہیں غفلت سے بیدار کرتے رہے اور آکر یہ کہتے رہے کہ خدا کے لئے اس وقت کو کام میں لگالو۔

ڈرانے والے کون ہیں؟

''ڈرانے والے'' کی تفسیر مفسرین نے مختلف فرمائی ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین ہیں، جو لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ''سفید بال'' ہیں یعنی جب سفید بال آگئے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آگیا کہ اب وقت آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ، اور اب بھی اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو جاؤ، اور اپنے حالات کی اصلاح کرلو، اس لئے کہ ''سفید بال'' آگئے ہیں اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر ''پوتے'' سے

کی ہے ''یعنی جب کسی کا پوتا پیدا ہو جائے، اور وہ دادا بن جائے، تو وہ پوتا ڈرانے والا ہے اس بات سے کہ بڑے میاں تمہارا وقت آنے والا ہے، اب ہمارے لئے جگہ خالی کرو''۔

ملک الموت سے مکالمہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہوگئی۔ اس شخص نے ملک الموت سے شکایت کی کہ آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے۔ تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہو گیا ہے، تم اس کی جواب دہی کے لئے تیاری کرو، لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں، بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں، بیٹھے ہیں، بیٹھے بٹھائے پہنچ گئے۔ اور روح قبض کر لی یہ کیا معاملہ ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا لیکن میں کیا کروں۔ تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے، ارے جب تمہیں بخار آتا ہے۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہیں کوئی بیماری آتی ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہارے سفید بال آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہارے پوتے آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ مگر تم کان ہی نہیں دھرتے

بہر حال اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو، اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ، خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے تمہیں جوانی دی ہے۔ صحت دی ہے، فراغت دی ہے اس کو کام میں لے لو اور جو کچھ کرنا ہے اس وقت کر لو۔ عبادتیں اس وقت کر لو۔ اللہ کا ذکر اس وقت کر لو، اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ، پھر جب بیمار ہو جاؤ گے یا ضعیف ہو جاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا۔

اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

اس وقت اگر دل بھی چاہے گا کہ آخرت کا کچھ سامان کرلوں، لیکن اس وقت امکان میں نہیں ہوگا۔ کرنہیں سکو گے

دو رکعت کی حسرت ہوگی

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفر پر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعت نفل پڑھی، اور پھر سواری پر سوار ہوکر آگے روانہ ہو گئے ساتھ میں جو حضرات تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی خاص آدمی کی قبر ہے۔ اس لئے یہاں اتر کر دو رکعت پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ حضرت، کیا بات ہے؟ آپ یہاں کیوں اترے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا عمل منقطع ہو چکا ہے، اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع اور مل جائے کہ ہم دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ اور ہماری نیکیوں میں اور ہمارے اعمال میں دو رکعت نفل کا اور اضافہ ہو جائے۔ لیکن اس حسرت کے باوجود ان کے پاس نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے رکھا ہے، اس لئے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس لئے میں نے اتر کر دو رکعت نفل پڑھ لیں۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ جن کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں وہ اپنے ایک ایک لمحے کو اس طرح کام میں لاتے ہیں۔

نیکیوں سے میزان عمل بھرلو

یہ وقت کے لمحات بڑے قیمتی ہیں، اسی واسطے کہا گیا کہ موت کی تمنا نہ کرو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔

ارے جو کچھ فرصت اور مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے، سب کچھ اسی میں ہوتا ہے۔ آگے جا کے کچھ نہیں ہوگا، اس لئے اس دنیا میں جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، اس کو غنیمت سمجھو، اور اس کو کام میں لے لو مثلاً ایک لمحہ میں اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ دو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ ''الحمدللہ'' کہہ دیا تو اب میزان عمل کا پورا پلڑا بھر گیا، دیکھئے یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں۔ لیکن تم اس کو گنواتے پھر رہے ہو، خدا کے لئے اس کو اس کام میں استعمال کر لو۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ٢٠١٨)

حافظ ابن حجر اور وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور بخاری شریف کے شارح ہیں۔ اور علم کے پہاڑ ہیں، عمل کے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنچایا تھا۔ آج انسان اس مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتا، عالم اور مصنف اور محدث کے نام سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت تصنیف کر رہے ہوتے تو کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہو جاتا اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، اور بار بار اس کا قط بنانا پڑتا تھا تو اس کو چاقو سے دوبارہ درست کرنا پڑتا تھا۔ اور اس میں تھوڑا سا وقت لگتا تو یہ وقت بھی بیکار گزارنا گوارہ نہیں تھا، چنانچہ جتنا وقت قط لگانے میں گزرتا۔ اتنی دیر تیسرا کلمہ ''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' پڑھتے رہتے تھے۔ تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ جائے۔ اس لئے کہ جو وقت تصنیف کرنے میں گزر رہا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں گزر رہا ہے۔ لیکن جو چند لمحات ملے ہیں، اس کو کیوں ضائع کریں، اور اس میں تیسرا کلمہ پڑھ لیں، تاکہ یہ لمحات بیکار نہ جائیں بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ وقت کی قدر پہچانیں۔

حضرت مفتی شفیع صاحب اور وقت کی قدر

آج ہمارے ماحول میں سب سے زیادہ بے قدر اور بے وقت چیز وقت ہے۔ اس کو جس طرح چاہا گنوا دیا۔ گپ شپ میں گزار دیا۔ یا فضولیات میں گزار دیا۔ یا بلا وجہ ایسے کام کے اندر گزار دیا جس میں نہ دنیا کا نفع نہ دین کا نفع میرے والد ماجد حضرت مفتی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتا ہوں، تا کہ کوئی لمحہ بیکار نہ گزرے۔ یا دین کے کام میں گزرے۔ یا دنیا کے کام میں گزرے۔ اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو وہ بھی بالآخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی، لیکن تمہیں سمجھا نے کے لئے کہتا ہوں، کہ جب انسان بیت الخلاء میں بیٹھا ہوتا ہے۔ تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کرسکتا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنا منع ہے۔ اور نہ کوئی اور کام کر سکتا ہے، اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں بیکاری میں گزرتا ہے۔ وہ بہت بھاری ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت کے اندر میں بیت الخلاء کے لوٹے کو دھو لیتا ہوں۔ تا کہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے، اور تا کہ جب بعد میں دوسرا آدمی اگر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور برا معلوم نہ ہو۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے، اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد یہ دس منٹ فلاں کام میں صرف کرنے ہیں، چنانچہ اس وقت میں وہ کام کر لیتا ہوں،

جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے، اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر سفر کے دوران بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں، اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جو سب کے لئے یاد رکھنے کا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرماتے تھے کہ دیکھو

کام کرنے کا بہترین گُر

جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا، یعنی جس کو اس انتظار میں رکھا کہ جب فرصت ملے گی تب کریں گے، وہ ٹل گیا۔ وہ کام پھر نہیں ہوگا۔ کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کر دو، تو وہ کام

ہو جائیگا میں تو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین آپ کا فرمایا ہوا یہ جملہ ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے، اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ واقعی جس کام کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ فرصت ملے گی تو کریں گے، وہ کام کبھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ حوادث روزگار ایسے ہیں کہ پھر وہ موقع دیتے ہیں ہی نہیں، ہاں جس کام کی انسان کے دل میں اہمیت ہوتی ہے، انسان اس کام کو کر ہی گزرتا ہے، زبردستی کر لیتا ہے، چاہے وقت ملے یا نہ ملے۔

کیا پھر بھی نفس سستی کریگا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو، وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ سن لو، مثلاً تمہیں یہ خیال ہوا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے، یا نفل نماز پڑھیں گے، لیکن جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہو رہی ہے۔ اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو۔ اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے۔ اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ، یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ بتاؤ کیا اس وقت بھی سستی رہی گی؟ اور کیا تم یہ جواب دے دوگے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا، اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، بادشاہ کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی کاہلی اور نیند دور ہو جائیگی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لئے بھاگ کھڑا ہوگا، کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں ہے، اگر حقیقت میں واقعۃً اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے، اور بلکہ بستر پر پڑے رہتے، لہٰذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز، در عاجز، در عجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے لئے اتنا بھاگ رہے ہو لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضہ وقدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہ ہے چھیننے والا وہ ہے، اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے۔

تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ اس تصور سے انشاء اللہ ہمت پیدا ہوگی، اور وہ وقت جو بیکار جا رہا ہے۔ وہ انشاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھونگا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھونگا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کر لونگا۔ اور یہ کام نہیں کرونگا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو۔

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے۔ اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ: اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے۔ تمہارے دوست احباب ہونگے۔ اور

اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کردیا جائیگا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کرلے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز واقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کرلوگے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

کل پر مت ٹالو

بہر حال، یہ [illegible]یث جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی یہ بڑے کام کی حدیث ہے، اور لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، جو وقت اس وقت ملا ہوا ہے اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اور یہ جو انسان سوچتا ہے کی اچھا یہ کام کل سے کریں گے، وہ کل پھر آتی نہیں، جو کام کرنا ہے وہ ابھی اور آج ہی شروع کردو، بلا تاخیر شروع کردو۔ کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے۔ کیا پتہ کہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کیا پتہ کہ کل کو قدرت رہے یا نہ رہے۔ اور کیا پتہ کہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے، اس لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

﴿ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنْ ربكُمْ وَ[illegible]سَّمٰوٰتُ وَالْاَرْض ﴾

(سورہ آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہے۔

نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے

جلد بازی ویسے تو کوئی اچھی چیز نہیں۔ لیکن نیکی کے کام میں جلدی کرنا اور جس نیکی کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے، اس نیکی کو کر گزرنا، یہ اچھی بات ہے۔ اور ''مسارعت'' کے معنی ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، ریس کرو، مقابلہ کرو، اگر دوسرا آگے بڑھ رہا ہے تو میں اس سے اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور اسی کام کے لئے اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ہمیں یہ وقت عطا فرمایا ہے، اس حدیث کو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔ آج ہم لوگوں نے اپنے آپ کو غفلت اور بے فکری میں مبتلا کیا ہوا ہے چوبیس گھنٹے کے سوچ بچار میں آخرت کی فکر اور آخرت کا دھیان بہت کم آتا ہے۔ غفلت میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں اس مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

عن عمر بن میمون الاودی رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لرجل وهو یعظه: اغتنم خمساً قبل خمس، شبابک قبل هرمک، وصحتک قبل سقمک، وغناک قبل فقرک، وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک"

(مشکوۃ کتاب الرقاق رقم ۵۹۸۷)

عمر بن میمون اودی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے، جوانی کو غنیمت سمجھو اور بیماری سے پہلے، صحت کو غنیمت سمجھو اور اپنی مالداری کو محتاجی سے پہلے غنیمت سمجھو اور فرصت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت سمجھو، اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو

جوانی کی قدر کرلو

مطلب یہ ہے کہ پانچوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا خاتمہ ہونے والا ہے اس وقت جوانی ہے، لیکن جوانی کے بعد بڑھاپا آنے والا ہے، یہ جوانی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے، بلکہ یا تو اس کے بعد بڑھاپا آئیگا۔ یا موت آئیگی، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لئے اس بڑھاپے سے پہلے اس جوانی کو غنیمت سمجھو۔ یہ قوت اور توانائی، اور صحت اللہ تعالیٰ نے اس وقت عطا فرمائی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اچھے کام میں لگالو بڑھاپے میں تو

یہ حال ہو جاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اس وقت کیا کرو گے جب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاسکو گے،

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ کھا ہی نہیں سکتا، طاقت ہی نہ رہی، اب کس کو کھائیگا۔ ارے جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، اس لئے فرمایا کہ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو

اس وقت صحت ہے، لیکن یاد رکھو، کوئی انسان دنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ صحت کے بعد اس کو بیماری نہ آئے۔ بیماری ضرور آئیگی۔ لیکن پتہ نہیں کب آجائے، اس لئے اس سے پہلے اس موجود صحت کو غنیمت سمجھ لو۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت اور مالداری عطا فرمائی ہے، کچھ پتہ نہیں کہ یہ کب تک کی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے حالات بدل گئے ہیں، اچھے خاصے امیر کبیر تھے، مگر اب فقیر ہو گئے، خدا جانے کب کیا حال پیش آجائے، اس وقت کے آنے سے پہلے اس مالداری کو غنیمت سمجھو اور اس کو اپنی آخرت سنوارنے کے لئے استعمال کر لو۔

اور اپنی فراغت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی فرصت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائے ہیں۔ یہ مت سمجھ کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں گے، کبھی نہ کبھی مشغولی ضرور آئیگی۔ اس لئے اس فرصت کو صحیح کام میں لگا لو۔ اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کے دو قول نقل کئے ہیں، پہلے قول میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے "لوگوں" سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں، اس لئے ان کے اساتذہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ کے صحابہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے اور ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جن کا اپنی عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراھم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا۔ یعنی جس طرح عام آدمی کی طبیعت سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے۔ تو وہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے۔ اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے۔ تاکہ کہیں چوری نہ ہو جائے، یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے، اس لئے کہ زندگی کا ایک لمحہ سونے چاندی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بیکار کام میں، یا ناجائز کام میں یا غلط کام میں صرف ہو جائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائے ہیں۔ یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حد و حساب نہیں، اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

دو رکعت نفل کی قدر

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت صحابہ جو ساتھ تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت نفل کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو۔ اور ان کو تم بہت معمولی سمجھتے ہو۔ لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل ساری دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں دو منٹ اور مل جاتے تو میں اس میں دو رکعت نفل اور پڑھ لیتا۔ اور اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

مقبرے سے آواز آرہی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے جو اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے۔

''مقبرے کی آواز'' جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے۔ چنانچہ وہ نظم اس طرح شروع کی ہے:

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر، ہم پر گزرنے والے سن

ہم بھی ایک دن زمین پر چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبان حال سے اپنی داستاں سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے ایک فرد تھے۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا، اس میں ایک روز بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہوگئی تھی۔ وہ تو ساتھ آ گیا، لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہ آئی۔ اس لئے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آ کر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر دے، اور اے گزرنے والے، تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں۔ جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

خواتین میں وقت کی ناقدری

وقت ضائع کرنے اور ٹیپ ٹاپ کا مرض خاص طور پر خواتین میں بے انتہا پایا جاتا ہے۔ جو کام ایک منٹ میں ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک گھنٹہ صرف کریں گی۔ اور جب آپس میں بیٹھیں گی تو لمبی لمبی باتیں کریں گی۔ اور جب باتیں لمبی ہوں گی تو اس میں غیبت بھی ہوگی۔ جھوٹ بھی نکلے گا۔ کسی کی دل آزاری بھی ہو جائے گی۔ خدا جانے کن کن گناہوں کا ارتکاب اس گفتگو میں شامل ہو جائے گا۔۔۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مبارک ھیں یا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے۔ جو اپنے لمحات زندگی کو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لیکر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا، یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے پاس عصر کے بعد عدل وانصاف کے ساتھ ان کی خیر وخبر لینے کیلئے اور ان سے بات چیت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی، حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کیلئے تشریف لے جاتے تھے، اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ اب دیکھئے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جہاد بھی ہو رہا ہے۔ تعلیم بھی ہو رہی ہے۔ تدریس بھی ہو رہی ہے۔ دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ اور ساتھ میں ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی دل جوئی بھی ہو رہی ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا۔ اور اسی اتباع سنت میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ لیکن وقت مقرر تھا۔ مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ اور پندرہ منٹ دوسری بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے۔ اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہو جائیں۔ یا چودہ منٹ ہو جائیں، بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تک دونوں کے پاس تشریف رکھتے، تول تول کر، ایک منٹ کا حساب رکھ خرچ کیا جا رہا ہے۔

دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطاء فرمائی ہے۔ اس کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت دی ہے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اور دولت جا رہی ہے۔ یہ پگھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

جس طرح برف ہر لمحے پگھلتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پگھل رہی ہے، اور جا رہی ہے۔

''سالگرہ'' کی حقیقت

جب عمر کا ایک سال گزر جاتا ہے تو لوگ سالگرہ مناتے ہیں۔ اور اس میں اس بات کی بڑی خوشی مناتے ہیں۔ کہ ہماری عمر کا ایک اور سال پورا ہو گیا، اور اس میں موم بتیاں جلاتے ہیں۔ اور کیک کاٹتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ اس پر اکبر الہٰ آبادی مرحوم نے بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے۔ وہ یہ کہ:

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

''عقدہ'' بھی عربی میں ''گرہ'' کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گرہ میں زندگی کے جو برس دیئے تھے، اس میں ایک اور کم ہو گیا۔ ارے یہ رونے کی بات ہے۔ یا خوشی کی بات ہے؟ یہ تو افسوس کرنے کا موقع ہے کہ تیری زندگی کا ایک سال اور کم ہو گیا۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ نے اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے، اگر اللہ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا، وہ اب واپس آنے والا نہیں، اس لئے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے، بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کس طریقہ سے کام میں لگ جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے، اس کو جہاں چاہا، کھو دیا، اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے، دن، مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ، نہ دین کا فائدہ۔

موجودہ دور اور وقت کی بچت

اور یہ بھی ذرا سوچا کرو کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اس دور میں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور ایسی ایسی نعمتیں ہمیں دے دیں کہ جو ہمارے آباء واجداد کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی چیز پکانی ہوتی تو پہلے لکڑیاں لائی جائیں۔ پھران کو سکھایا جائے۔ پھران کو سلگایا جائے، پھر اگر ذرا سی چائے بھی بنانی ہے تو اس کے لئے آدھا گھنٹہ چاہئے۔ اب الحمدللہ۔ گیس کے چولھے ہیں۔ اس کا ذرا سا کان مروڑا، اور دو منٹ کے اندر چائے تیار ہوگئی، اب صرف چائے کی تیاری پر اٹھائیس منٹ بچے پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر روٹی پکانی ہے تو پہلے گندم آئے گی۔ اس کو چکی میں پیسا جائے گا۔ پھر آٹا گوندیں گے۔ پھر جا کر روٹی پکے گی۔ اب ذرا سا بٹن دبایا، اب مسالہ بھی تیار ہے۔ آٹا بھی تیار ہے، اس کام میں بھی بہت وقت بچ گیا۔ اب بتاؤ یہ وقت کہاں گیا؟ کس کام میں آیا؟ کہاں صرف ہوا؟ لیکن اب بھی خواتین سے کہا جائے کہ فلاں کام کرلو۔ تو جواب ملتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں یہ تمام کام کرنے کے باوجود خواتین کو عبادت کی بھی فرصت تھی۔ تلاوت کی بھی فرصت تھی۔ ذکر کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اللہ کو یاد کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان نئے آلات کی نعمت عطا فرمادی تو اب ان خواتین سے پوچھا جائے کہ تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے۔؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا کریں، گھر کے کام دھندوں سے فرصت نہیں ملتی پہلے زمانے میں سفر یا تو پیدل ہوتا تھا۔ یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد تانگوں اور سائیکلوں پر ہونے لگا۔ اور جس مسافت کو قطع کرنے میں مہینوں صرف ہوتے تھے۔ اب گھنٹوں میں وہ مسافت قطع ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے گزشتہ کل میں اس وقت مدینہ منورہ میں تھا۔ اور کل ظہر، عصر، مغرب عشاء چاروں نمازیں مدینہ طیبہ میں ادا کیں۔ اور آج جمعہ کی نماز یہاں آکر ادا کرلی۔ پہلے کوئی شخص کیا یہ تصور کرسکتا تھا۔ کہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے اگلے دن واپس لوٹ آئے۔ بلکہ اگر کسی کو حرمین شریفین کے سفر پر جانا ہوتا تو لوگوں سے اپنی خطائیں معاف کرا کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ مہینوں کا سفر ہوتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے سفر کو اتنا آسان فرمادیا ہے کہ آدمی چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جو سفر پہلے ایک مہینے میں ہوتا تھا۔ تو اب ایک دن میں ہوگیا۔ اور انتیس دن بچ گئے۔ اب اس کا حساب لگاؤ کہ وہ انتیس

دن کہاں گئے؟ اور کس کام میں صرف ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ وہ انتیس دن ضائع کر دیئے اور اب بھی وہی حال ہے کہ فرصت نہیں۔ وقت نہیں۔ کیوں وقت نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لئے عطا فرمائی تھیں کہ وقت بچا کر مجھے یاد کرو۔ اور میری طرف رجوع کرو۔ اور آخرت کی تیاری کرو۔ اور اس کی فکر کرو۔

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی۔ اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے۔ بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے۔ اور اس سے کہتے کہ تم خود ہی اس میں سے پیسے نکال لو۔ اس لئے کہ اگر میں نکالوں گا۔ اور اس کو گنوں گا۔ تو وقت لگے گا۔ اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پیسوں کی تھیلی اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ کہ پیچھے سے ایک اچکا آیا۔ اور وہ تھیلی چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت میاں جی نور محمد نور اللہ مرقدہ نے مڑ کر بھی اس کو نہیں دیکھا کہ کون لے گیا۔ اور کہاں گیا اور گھر واپس آ گئے، کیوں؟ اس لے کہ انہوں نے سوچا کہ کون اس چکر میں پڑے کہ اس کے پیچھے بھاگے۔ اور اس کو پکڑے، بس اللہ اللہ کرو، بہر حال ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو کیوں ایسے کاموں میں صرف کریں جس میں آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے

درحقیقت یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل تھا۔ جب میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ مگر چونکہ بزرگوں سے اس حدیث کی تشریح بھی سنی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ بے تابی نہیں ہوتی۔ لیکن بہر حال، یہ بڑی عبرت کی حدیث ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میری ایک جھونپڑی تھی۔ حدیث میں لفظ ''خص'' آیا ہے۔ ''خص'' عربی میں جھونپڑی کو کہتے ہیں، اس جھونپڑی

میں کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوگئی تھی، اس لئے ایک روز میں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا کہ:

"خص لنا وھی فنحن نصلحه"

یارسول اللہ ہم تو اپنی جھونپڑی کو ذرا درست کر رہے ہیں آپ نے فرمایا:

ما اری الا مر الا اعجل من ذلک

بھائی، معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ یہ پتہ نہیں کب ختم ہو جائیں۔ اور موت آجائے۔ اور آخرت کا عالم شروع ہو جائے۔ یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں یہ بڑی جلدی کا وقت ہے۔ اس میں تم یہ گھر کی مرمت کا فضول کام لے بیٹھے؟

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی البناء، حدیث نمبر ۵۲۳۶)

اب دیکھئے کہ وہ صحابی کوئی بڑا عالیشان مکان نہیں بنا رہے تھے۔ یا اس کی تزئین اور آرائش کا کام نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ صرف اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے حضرات علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو اس کام سے منع نہیں فرمایا کہ تم یہ کام مت کرو۔ یہ کام گناہ ہے۔ اس لئے کہ وہ کام گناہ نہیں تھا۔ مباح اور جائز تھا۔ لیکن آپ نے ان صحابی کو اس طرف توجہ دلا دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ساری توجہ، سارا دھیان، ساری کوشش اور ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کے اردگرد ہو کر رہ جائے۔

بہر حال اگر ہم سو فیصد ان بزرگوں کی اتباع نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کر لیں کہ ہم جو فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ اس سے بچ جائیں۔ اور اپنے لمحات زندگی کو کام میں لگائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس ذکر کی بدولت زندگی کے ایک ایک لمحے کو آخرت کی تیاری کیلئے صرف کر سکتا ہے۔ چل رہا ہے۔ پھر رہا ہے۔ مگر زبان پر اللہ جل جلالہ کا ذکر جاری ہے۔ اور ہر کام کرتے وقت اپنی نیت درست کر لو تو یہ وقت بے مصرف اور بیکار ضائع نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے تعلق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو بستر پر سوتے تو آپ کے جسم اطہر پر نشان پڑ جایا کرتے تھے، تو ایک مرتبہ میں نے آپ کے بستر کی چادر کو دھرا کر کے بچھا دیا۔ تاکہ نشان نہ پڑیں۔ اور زیادہ آرام ملے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ، اس کو دھرا مت کیا کرو۔ اس کو اکہرا ہی رہنے دو۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار کی آرائش کیلئے ایک پردہ لٹکا دیا تھا، جس پر تصویریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک یہ پردہ نہیں ہٹا دو گی۔ اس لئے کہ اس میں تصویر ہے۔

ایک مرتبہ زینت اور آرائش کیلئے ایسا پردہ لٹکایا جس میں تصویر تو نہیں تھی۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ:

مالی وللدنیا، اما انا و لدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا

میرا دنیا سے کیا کام، میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے۔ جو کسی درخت کی چھاؤں میں تھوڑی دیر کیلئے سایہ لیتا ہے۔ اور پھر اس سایہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے میرا تو یہ حال ہے بہرحال، امت کو ان چیزوں سے منع تو نہیں کیا۔ لیکن اپنے عمل سے امت کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے اندر زیادہ نہ لگاؤ۔ اس پر زیادہ وقت صرف نہ دل کرو۔ اور آخرت کی تیاری میں لگو۔ (ترمذی۔ کتاب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۷۸)

وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو کام کر لو۔ ایک یہ کہ ہر کام کے اندر نیت کی درستگی اور اس کے اندر اخلاص ہو کہ جو کام بھی کروں گا۔ اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ مثلاً کھاؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کھاؤں گا۔ کماؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کماؤں گا۔ گھر میں اگر اپنی بیوی بچوں سے باتیں کروں گا تو اللہ کی رضا کی خاطر کرونگا، اتباع سنت کی نیت سے کرونگا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہو اس میں کیا خرچ ہوتا ہے کہ آدمی چلتے پھرتے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتا رہے۔

کیا اس کے پڑھنے میں کوئی محنت لگتی ہے؟ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ یا زبان گھس جاتی ہے؟ لیکن اگر انسان یہ ذکر کرتا رہے تو اس کے لمحات زندگی کام میں لگ جائیں گے۔

اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ

تیسرے کہ یہ فضولیات سے اجتناب کرو۔ اور اوقات کو ذرا تول تول کر خرچ کرو۔ اور اس کیلئے نظام الاوقات بناؤ۔ اور پھر اس نظام الاوقات کے مطابق زندگی گزارو۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر تاجر اپنا چٹھا تیار کرتا ہے کہ کتنا روپیہ آیا تھا اور کتنا خرچ ہوا۔ اور کتنا نفع ہوا؟ اسی طرح تم بھی اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے تھے۔ اس میں سے کتنا وقت اللہ تعالیٰ کی رضاء کے کاموں میں صرف ہوا؟ اور کتنا وقت غلط کاموں میں صرف ہوا۔ اس طرح اپنے نفع اور نقصان کا حساب لگاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجارت خسارے میں جارہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

”یا ایھا الذین آمنو ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تؤ منو ن با للہ ورسولہ وتجاھدو ن فی سبیل اللہ با موالکم وانفسکم “(سورۃ الصف:۱۰)

اے ایمان والو۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات عطا کردے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھو۔ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو اپنے اموال اور نفس کے ساتھ

یہ بھی جہاد ہے

لوگ ”جہاد“ کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آدمی تلوار اور بندوق لیکر میدان جہاد میں جائے، بیشک وہ جہاد کا ایک اعلیٰ فرد ہے، لیکن جہاد اس میں منحصر نہیں۔ جہاد کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنی خواہشات سے جہاد کرے، اپنے جذبات سے جہاد کرے۔ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی جذبہ پیدا ہورہا ہے تو اس کو روکے، یہ بھی جہاد ہے۔ اور آخرت کی تجارت ہے۔ جس کا نفع اور فائدہ

آخرت میں ملنے والا ہے۔اور میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص اپنا نظام الاوقات نہیں بناتا اور اپنے اوقات کا حساب نہیں رکھتا کہ کہاں خرچ ہو رہے ہیں۔ درحقیقت وہ آدمی ہی نہیں اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔اور آپ حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

نیک کام کو مت ٹلاؤ

حضرت حسن بصری حیں یا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

ابن آدم ایاک والتسویف

اے آدم کے بیٹے۔ٹال مٹول سے بچو۔یعنی انسان کا نفس ہمیشہ نیک عمل کو ٹالتا رہتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے۔ پرسوں سے کریں گے۔ ذرا فرصت ملے گی تو کرلیں گے۔ ذرا فلاں کام سے فارغ ہو جائیں تو پھر کریں گے۔ یہ ٹلانا اچھا نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی نیک کام کو مت ٹلاؤ۔ اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کام کیلئے اہتمام کرے۔

دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے

میرے ایک استاذ نے اپنا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے ہی نہیں۔ نہ رابطہ رکھتے ہیں۔اور نہ خط لکھتے ہیں۔تو میں نے جواب میں کہا کہ حضرت، فرصت نہیں ملتی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو، جس چیز کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فرصت نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اور اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔ کیونکہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے۔آدمی اس کام کیلئے وقت اور فرصت زبردستی نکال ہی لیتا ہے۔اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کام اس لئے نہیں کیا کہ فرصت نہیں ملی۔تو مطلب یہ ہے کہ اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔

اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے

ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ جب آدمی کے پاس بہت سارے کام جمع ہو جائیں۔ تو اب ظاہر ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک ہی کام کرے گا۔ یا اسے کرے گا۔ یا اُسے کرے گا۔ سب کام تو ایک ساتھ کر نہیں سکتا۔ تو اس وقت آدمی اسی کام کو پہلے کرے گا۔ جس کی اہمیت دل میں زیادہ ہوگی۔ یا ایک شخص ایک کام کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی دوسرا کام آ گیا۔ جو پہلے کام سے زیادہ اہم ہے۔ تو وہ پہلے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے، آدمی اس کام کیلئے وقت نکال ہی لیتا ہے۔ مثلاً آپ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں، اس وقت وزیر اعظم کا یہ پیغام آ جائے۔ کہ آپ کو بلایا ہے۔ تو کیا اس وقت بھی یہ جواب دو گے میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے فرصت نہیں وہاں تو یہ جواب آپ نہیں دیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کے دل میں اس کہ اہمیت ہے۔ اور جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے آدمی اس کے لئے وقت اور فرصت نکال ہی لیتا ہے۔ اس لئے نیک اعمال کو فرصت پر ٹلانا کہ جب فرصت ملے گی تو کریں گے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اہمیت دل میں نہیں۔ جس دن دل میں اہمیت آئے گی۔ اس دن سب فرصت مل جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے

آگے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

فانک یومک ولست بغد فان یکن
غد لک فکس فی غد کما کست فی الیوم

یعنی آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے۔ کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ کل ضرور آئے گی؟ جب کل کا دن یقینی نہیں ہے تو جو کام ضروری ہے وہ آج ہی کے دن کر لو، پتہ نہیں کل آئے گی یا نہیں، اور یہ یقین مت کرو کہ کل ضرور آئے گی۔ بلکہ اس مفروضے پر کام کرو کہ کل نہیں آنی ہے۔ اس لئے جو بھی ضروری کام کرنا ہے۔ وہ آج ہی کرنا ہے۔ اگر کل کا دن مل جائے۔ اور کل آ جائے تو کل کے دن بھی ایسے ہی ہو جاؤ۔ جیسے آج ہوئے تھے۔ یعنی اس دن کے بارے میں یہ یقین

کرلو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے۔ کل کا دن نہیں ہے اور اگر وہ کل نہ آئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہیں ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کر دیا۔ اس لئے ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرو۔

شاید یہ میری آخری نماز ہو

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں۔ کل کو مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ تاکہ جو کچھ حسرت اور جذبہ نکالنا ہے۔ وہ اسی میں نکال لوں، کیا پتہ کہ اگلی نماز کا وقت آئے گا یا نہیں؟

(ابن ماجہ۔ کتاب الزھد، باب الحکمۃ)

بہرحال، یہ ساری باتیں جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائیں۔ ایمان اور اعتقاد کے درجے میں ہر مسلمان کو معلوم ہیں۔ کہ کل کا پتہ نہیں۔ آج یقینی ہے، لیکن وہ علم کس کام کا جس پر انسان کا عمل نہ ہو علم تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے تو ان بزرگوں کی باتوں میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عمل کی توفیق بھی عطاء فرمادیتے ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو۔ اور اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ غفلت، بے پروائی، اور وقت کی فضول خرچی سے بچو کسی نے خوب کہا ہے کہ۔

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارا اور آپ کا یہ حال بنادے کہ اپنے اوقات زندگی کو اللہ کے

ذکراوراس کی یاد،اورآخرت کےکام اورطاعات میں صرف کریں۔اورفضولیات سے بچیں۔
اور اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہم سب کوعمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔
آمین وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

اوقات ضائع کرنا

از حضرت مولانا مفتی محمد حنیف عبدالمجید صاحب مدظلہ

سب سے بڑی چیز جسے آج کل ایک رواج کی شکل دے دی گئی ہے اور گناہ نہیں سمجھا جاتا وہ ہے دوسروں کے اوقات ضائع کرنا، کسی کے اوقات ضائع کرنے کی مختلف شکلیں ہیں۔

کبھی کسی کے ہاں جاکروقت ضائع کیا جاتا ہے اور کبھی کسی کو بلاکروقت ضائع کیا جاتا ہے۔

جب کسی کے ہاں جائے تو فضول باتوں میں اپنا اور میزبان کا وقت ضائع نہ کرے، میزبان کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ وعدہ خلافی کے زُمرے میں بھی آتا ہے۔ جب کسی کو اپنے ہاں بلائے تو مہمان کو انتظار نہ کروائے بلکہ مہمان کو وقت پر فارغ کرنے کی کوشش کرے تاکہ آپ کا اور مہمان کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: ''کچھ عرصہ قبل میں اپنے ایک عزیز کے یہاں شادی کی ایک تقریب میں مدعو تھا، چوں کہ آج کل شادی کی تقریبات متعدد وجوہ سے ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہیں، اس لئے میں بہت کم تقریبات میں شرکت کرتا ہوں، اور رشتہ داری کا یا دوستی کا حق کسی اور مناسب وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اتفاق سے اس روز اسی وقت میں پہلے سے بہار کالونی میں ایک جگہ تقریر کا وعدہ کرچکا تھا، جب کہ شادی کی یہ تقریب نیشنل اسٹیڈیم کے متصل ایک لان میں منعقد ہورہی تھی، یعنی دونوں جگہوں کے درمیان میلوں کا فاصلہ تھا، اس لئے میرے پاس ایک معقول عذر تھا، جو میں نے تقریب کے منتظمین سے عرض کردیا، اور پروگرام یہ بنایا کہ میں بہار کالونی جاتے ہوئے اہل خانہ کو تقریب میں چھوڑتا جاؤں گا، اور جب بہار کالونی کے پروگرام سے واپس ہوں گا تو اس وقت تک تقریب ختم ہوچکی ہوگی، میں منتظمین کو مختصر مبارک باد دے کر گھر والوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔

چنانچہ اسی نظم کے مطابق میں نے عشاء کی نماز بہار کالونی میں پڑھی، نماز کے کافی دیر بعد وہاں پروگرام شروع ہوا۔ مجھ سے پہلے ایک اور صاحب نے خطاب کیا، پھر میرا خطاب بھی تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا، اس کے بعد عشائیہ کا انتظام تھا، میں نے اس میں بھی شرکت کی، پھر وہاں سے روانہ ہوا، اور جب اسٹیڈیم پہنچا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے، خیال یہ تھا کہ اگر چہ دعوت نامے پر نکاح کا وقت آٹھ بجے اور کھانے کا وقت غالباً ساڑھے آٹھ بجے درج تھا، لیکن اگر کچھ دیر ہوئی ہوگی، تب بھی ساڑھے گیارہ بجے تک ضرور تقریب ختم ہوگئی ہوگی، لیکن جب میں تقریب والے لان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک بارات ہی نہیں آئی، لوگ بیچارگی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے، بعض لوگوں کے کندھوں سے بچے لگے ہوئے تھے جو بھوک یا نیند کے غلبے کی وجہ سے روتے روتے سونے لگے تھے، کچھ لوگ بار بار گھڑی دیکھ کر نکاح میں شرکت کے بغیر واپسی کی سوچ رہے تھے، اور بہت سے افراد منتشر ٹولیوں کی شکل میں وقت گزاری کے لئے بات چیت میں مشغول تھے، اور بہت سے ساکت وصامت بیٹھے آنے والے حالات کا انتظار کر رہے تھے، منتظمین نے لوگوں کے پوچھنے پر انہیں ''اطمینان'' دلایا کہ ابھی فون سے پتہ چلا ہے کہ بارات روانہ ہو رہی ہے، اور ان شاء اللہ آدھے گھنٹے تک یہاں پہنچ جائے گی!!

میں تو خیر پہلے ہی معذرت کر چکا تھا، اس لئے چند منٹ بعد منتظمین سے اجازت لے کر چلا آیا، لیکن آدھے گھنٹے بعد بارات کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ سوا بارہ بجے رات کو بارات پہنچی ہوگی، ساڑھے بارہ کے وقت نکاح ہوا ہوگا، اور کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے یقیناً لوگوں کو ڈیڑھ بج گیا ہوگا۔

یہ تو ایک تقریب کا واقعہ تھا، شہر کی بیشتر شادی کی تقریبات کا یہی حال ہے کہ دعوت نامے پر لکھے ہوئے اوقات قطعی طور پر بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں، خود لکھنے والوں کا ارادہ بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم ان اوقات کی پابندی نہیں کریں گے، لہٰذا جن حضرات کو دعوت نامہ پہنچتا ہے، وہ بھی اتنی بات تو یقین سے جانتے ہیں کہ دعوت نامے میں لکھے ہوئے اوقات پر عمل نہیں ہوگا، لیکن تقریب کے واقعی اوقات کیا ہوں گے؟ چوں کہ اس کے بارے میں یقینی بات کوئی نہیں بتا سکتا، اس لئے ہر شخص اپنا الگ اندازہ لگاتا ہے، شروع

شروع میں لوگوں نے یہ اندازہ لگانا شروع کیا کہ مقررہ وقت سے آدھے پون گھنٹے کی تاخیر ہو جائے گی، لیکن جب اس حساب سے دعوت میں پہنچ کر گھنٹوں خوار ہونا پڑا تو انہوں نے تاخیر کا اندازہ اور بڑھالیا، اور اس طرح ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ نہ اب تاخیر کی کوئی حد مقرر رہے، نہ اندازوں کا کوئی حساب، ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ رات کو ایک بجے کے بعد نکاح ہوا، اور لوگ دو بجے کے بعد اپنے گھروں کا رخ کر سکے، ہر شخص کے پاس اپنی سواری بھی نہیں ہوتی، اور رات گئے سواری کا انتظام جوئے شیر لانا تو ہے ہی شہر کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر جان کا جوا کھیلنے کے مترادف بھی ہے۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں کسی ایک تقریب میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کم از کم چار پانچ گھنٹے خرچ کرے، بے مقصد انتظار کی کوفت برداشت کرے، رات گئے ٹیکسیوں کا کئی گنا زیادہ کرایہ ادا کرے، اور پھر بھی سارے راستے ممکنہ خطرات سے سہما رہے، رات کو بے وقت سونے کے نتیجے میں صبح کو دیر سے بیدار ہو کر فجر کی نماز غائب کرے یا تو اگلے روز آدھے دن کی چھٹی کرے، یا نیم غنودگی کی حالت میں الٹا سیدھا کام کرے، سوال یہ ہے کہ:

ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

دنیا کا کوئی نظامِ فکر ایسا نہیں ہے جس میں وقت کو انسان کی سب سے بڑی دولت قرار دے کر اس کی اہمیت پر زور نہ دیا گیا ہو۔ انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اور جو قومیں وقت کی قدر پہچان کر اسے ٹھیک ٹھیک استعمال کرتی ہیں، وہی دنیا میں ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں۔

مجھے کبھی جاپان جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن میرے ایک دوست نے (جو خاصے معتمد ہیں) ایک صاحب کا یہ قصہ سنایا کہ وہ اپنے کسی تجارتی مقصد سے جاپان گئے تھے، وہاں ان کے ایک ہم پیشہ تاجر یا صنعت کار نے انہیں رات کے کھانے پر اپنے یہاں دعوت دی، جب یہ صاحب کھانے کے مقررہ وقت پر ان کے گھر پہنچے تو میزبان کھانے کی میز پر بیٹھ چکے تھے، اور کھانا لگایا جا چکا تھا، ان صاحب کو کسی قسم کے تمہیدی تکلفات کے بغیر سیدھے کھانے کی میز پر لے جا کر بٹھا دیا گیا، اور کھانا فوراً شروع ہو گیا، کھانے کے دوران

باتیں ہوتی رہیں، لیکن ان صاحب نے ایک عجیب سی بات یہ نوٹ کی کہ میزبانوں کے پاؤں کھانے کے دوران ایک خاص انداز سے حرکت کر رہے تھے، شروع میں انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ اس انداز کی حرکت ہے جیسے بعض لوگ بے مقصد پاؤں ہلانے کے عادی ہو جاتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے محسوس کیا کہ پاؤں کی حرکت میں کچھ ایسی باقاعدگی ہے جو بے مقصد حرکت میں عموماً نہیں ہوا کرتی، بالآخر انہوں نے میزبانوں سے پوچھ ہی لیا، اور ان صاحب کی حیرت کی انتہاء نہیں رہی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ دراصل میز کے نیچے کوئی مشین رکھی ہوئی ہے اور وہ کھانے کے دوران بھی اپنا پاؤں استعمال کر کے کوئی ہلکا پھلکا ''پیداواری کام'' جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ قصہ سچا ہے یا کسی ''جہاں دیدہ'' نے زیب داستان کے لئے گھڑا ہے، لیکن اس قسم کے قصے بھی اسی قوم کے بارے میں گھڑے جا سکتے ہیں جس نے اپنے عمل سے وقت کی قدر و قیمت پہچاننے اور محنت کرنے کی مثالیں قائم کی ہوں، ہمارے ملک کے بارے میں اس قسم کا کوئی قصہ جھوٹ موٹ بھی نہیں گھڑا جا سکتا، اس لئے ہمارا مجموعی طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ وقت ہمارے نزدیک سب سے زیادہ بے وقعت چیز ہے، اور اگر شادی کی کسی ایک رسمی تقریب میں شرکت کے لئے ہمارا پورا دن برباد ہو جائے تو بھی ہمیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔

ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ہم وقت کی یہ ناقدری اس دین اسلام کے نام لیوا ہونے کے باوجود کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر شخص کو اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب آخرت میں دینا ہوگا، جس نے پانچ وقت کی باجماعت نماز مقرر کر کے اس کے ہر دن کو خود بخود پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور اس کے ذریعے شب و روز کا بہترین نظام الاوقات طے کرنا آسان بنا دیا ہے۔

یوں تو وقت ضائع کرنے کے مظاہرے ہم زندگی کے ہر شعبے میں کرتے ہیں، لیکن اس وقت موضوعِ گفتگو تقریبات اور دعوتیں تھیں جن میں وقت کی پابندی نہ کر کے ہم اپنا بھی، اور سینکڑوں مدعوین کا بھی وقت برباد کرتے ہیں، لوگوں کو دعوت میں بلا کر انہیں غیر محدود مدت تک انتظار کی قید میں رکھنا ان سب کے ساتھ ایسی زیادتی ہے جس کے خلاف

ایسے خوشی کے مواقع پر کوئی احتجاج کرنا بھی آسان نہیں ہوتا، کیوں کہ لوگ مروت میں اس زیادتی پر زبان بھی نہیں کھولتے، لیکن جو شخص بھی انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو بلاوجہ تکلیف پہنچانے کا سبب بنے، کیا وہ گنہگار نہیں ہوگا؟ مدعو حضرات میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا وقت بچتا تو ملک وملت کے کسی مفید کام میں خرچ ہوتا، ایسے لوگوں کا وقت ضائع کر کے انہیں گھنٹوں بے مقصد بٹھائے رکھنا صرف ان پر نہیں، ملک وملت پر بھی ظلم ہے، یہ حقیقت میں دعوت نہیں عداوت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چوں کہ ایک غلط روش معاشرے میں چل پڑی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اسے غلط سمجھ کر اس کی اصلاح کرنا بھی چاہے تو اب اصلاح اس کے بس میں نہیں رہی لیکن مجھے اس نقطہ نظر سے کبھی اتفاق نہیں ہوا، سوال یہ ہے کہ آپ اس قسم کی غلط، بلکہ مہلک روش کا کب تک ساتھ دیں گے؟ کب تک رواجِ عام کو غلطیوں کا بہانا بنایا جاتا رہے گا؟ ہر غلط روش کے آگے ہتھیار ڈال کر اس کے بہاؤ پر بہنے کا سلسلہ آخر کہاں جا کر رکے گا؟

واقعہ یہ ہے کہ اصل ضرورت صرف ایک پختہ اور ناقابلِ شکست ارادے کی ہے، اسی ماحول میں جہاں مقررہ وقت پر کسی دعوت میں پہنچنے والا بے وقوف سمجھا جاتا ہے، خود میں نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے دعوت نامے پر پابندیٔ وقت کی خصوصی ہدایت لکھی، اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا، اور کھانے کا جو وقت دیا گیا تھا، اس پر کھانا واقعی شروع کر دیا، اور اس بات کی پروا نہیں کی کہ حاضرین کم ہیں یا زیادہ؟ سوال یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے پابندیٔ وقت کے خصوصی التماس کے باوجود آنے میں دیر کی ہے تو اس کی سزا ان لوگوں کو کیوں دی جائے جو بے چارے وقت پر آگئے تھے؟ جب تک کچھ لوگ ان باتوں کو سنجیدگی سے سوچ کر پابندیٔ وقت کا تہیہ نہیں کریں گے، اس وقت تک تقریبات کا یہ بے ڈھب سلسلہ کسی حد پر نہیں رکے گا۔

”آج بھی جو تقریبات ہوٹلوں میں ہوتی ہیں، اور جہاں گھنٹوں کے حساب سے بکنگ ہوتی ہے، وہاں سارے کام کس طرح وقت پر ہو جاتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ضرورت صرف پختہ ارادے کی ہے، اگر چند افراد بھی یہ پختہ ارادہ کر لیں اور اس پر عمل کر کے دکھا دیں تو تبدیلی ہمیشہ افراد ہی سے آتی ہے، اور پھر رفتہ رفتہ وہ عمومی رواج کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ضیاع وقت خودکشی ہے

سچ یہ ہے کہ وقت ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم کردیتی ہے اور تضیع اوقات ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنادیتی ہے، یہی منٹ گھنٹہ اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتا ہے، اگر انسان حساب کرے تو ان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے، اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ کی عمر سے دس پانچ سال کم کردیئے گئے تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا، لیکن وہ معطل بیٹھا ہوا خود اپنی عمر عزیز کو ضائع کررہا ہے، مگر اس کے زوال پر اس کو کچھ افسوس نہیں ہوتا۔

اگرچہ وقت کا بے کار رکھنا عمر کا کم کرنا ہے، لیکن اگر یہی ایک نقصان ہوتا تو کوئی غم نہ تھا، لیکن بہت بڑا نقصان اور خسارہ یہ ہے کہ بے کار آدمی طرح طرح کے جسمانی وروحانی عوارض میں مبتلا ہوجاتا ہے حرص، طمع، ظلم وستم، قمار بازی، زنا کاری اور شراب نوشی عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو معطل اور بے کار رہتے ہیں، جب تک انسان کی طبیعت، دل ودماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا پس انسان اسی وقت صحیح انسان بن سکتا ہے، جب وہ اپنے وقت پر نگران رہے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام مقرر کردے۔

وقت خاص مصالحے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بنا سکتے ہیں، وقت وہ سرمایہ ہے جو ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں عطا کیا گیا ہے اس سرمایہ کو مناسب موقع پر کام میں لاتے ہیں۔ جسمانی راحت اور روحانی مسرت ان ہی کو نصیب ہوتی ہے، وقت ہی کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے، اس کی برکت سے جاہل، عالم، مفلس، تونگر، نادان، دانا بنتے ہیں، پر وقت ایسی دولت ہے جو شاہ وگدا، امیر وغریب، طاقت ور اور کمزور سب کو یکساں ملتی ہے۔

اگر آپ غور کریں گے تو نوے فیصد لوگ صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ کہاں اور کیوں صرف کرتے ہیں، جو شخص دونوں ہاتھ اپنی جیبوں

میں ڈال کر وقت ضائع کرتا ہے تو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ دوسروں کی جیب میں ڈالے گا۔

آپ کی کامیابی کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ کا وقت کبھی فارغ نہیں ہونا چاہئے، سستی نام کی کوئی چیز نہ ہو اس لئے کہ سستی نسوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح لوہے کو زنگ، زندہ آدمی کے لئے بے کاری زندہ در گور ہونا ہے۔

ٹیلیفون پر لمبی بات کرنا

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: ”اب ایذاء رسانی کا ایک آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے۔ وہ ہے ”ٹیلیفون“ یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچا دو، چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کر دی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے۔ اس کے پاس وقت ہے یا نہیں۔“

ٹیلیفون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے، چار پانچ منٹ لگیں گے۔ اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کرلوں اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتا دیں، اس وقت بات کرلوں گا۔

آج کل موبائل کا مرض عام ہو چکا ہے، اس کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کا غلط استعمال لوگوں کے اوقات کا ضیاع اور تکلیف کا سبب بن رہا ہے، بعض لوگ بلا ضرورت میسج بھیج دیتے ہیں اور مس کالیں کرنا اور رانگ نمبر ملانا تو بعض لوگوں کی عادت بن چکی ہے، وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس کو مس کال کی جا رہی ہے وہ مصروف ہوگا۔

جس کے موبائل پر بلا ضرورت مس کالیں اور میسج آئیں وہ شخص بھی پریشان ہو جاتا ہے اور یکسوئی سے کوئی کام نہیں کر پاتا۔

(کسی کو تکلیف نہ دیجئے ص ۹۱ تا ۹۹ ناشر دار الہدیٰ کراچی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب

سلف صالحین کے ہاں وقت کی قدر

حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ ”جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مسجد کے ایک گوشہ میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ کون ہیں وہ لوگ جن کو میں پڑھاؤں؟ چنانچہ چند لوگ آتے، آپ ان کو پڑھا دیتے، یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو جاتا اور نماز کا پڑھنا جائز ہو جاتا تو اٹھتے اور نصف النہار تک نماز میں مشغول رہتے، پھر گھر واپس آکر آرام فرماتے، پھر زوال آفتاب کے بعد مسجد میں آتے اور عصر تک نماز پڑھتے رہتے، عصر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ کون ہیں وہ لوگ جن کو میں پڑھاؤں؟ چنانچہ کچھ لوگ ان کے پاس آتے، آپ ان کو پڑھاتے، یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو جاتا تو مغرب کی نماز پڑھتے، پھر دیگر نوافل میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر واپس جاتے اور دو روٹیوں میں سے ایک روٹی کھاتے، پھر ہلکی سی نیند کرتے، اس کے بعد اٹھ جاتے، پھر جب سحر ہوتی تو (رات کی بچی ہوئی) دوسری روٹی تناول فرماتے، پھر اس پر پانی کا گھونٹ پیتے، پھر مسجد کی طرف نکل جاتے۔“ (راوی)

منصور بن راذان رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆..... خلف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہم سے یہ بات بیان کی ہے کہ ”منصور بن راذان رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی سب کچھ کرتے تھے اور ان میں ایک عادت زائد تھی کہ وہ ساری رات نہ سوتے تھے، یہاں تک کہ ان کی پگڑی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تو اس کو اتار دیتے۔“ (الزھد لاحمد: ص ۲/۱۷۴)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے فرمایا ”کہ اس جامع مسجد میں کوئی ایسا ستون نہیں جس کے پاس میں نے قرآن مجید ختم نہ کیا ہو اور اس کے پاس گریہ وزاری نہ کی ہو۔“

(حلیۃ الاولیاء: ص ۲/۳۲۱)

حضرت جحیر بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت بلال بن حق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جحیر بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ کر جب اپنے بستر کی طرف آتے تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے اور پھر بھی لوگ ان کو بڑا عبادت گزار شمار نہیں کرتے تھے۔ (الدائق: ص۳/۲۳۲)

موت کی کشمکش اور وقت کی قدر

☆...... حضرت جعفر بن محمد بن ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد موت کی کشمکش میں تھے، میں انہیں تلقین کرنے لگا کہ ابا جان! ''لاالٰہ الااللہ'' پڑھو، انہوں نے کہا کہ بیٹا! مجھے چھوڑ دو، میں اس وقت اپنے چھٹے یا ساتویں ورد میں مصروف ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء: ص۲/۳۲۲)

حضرت عمیر بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''میں نے حضرت عمیر بن ہانی سے کہا کہ: میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی زبان اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتی، آپ ہر روز کتنی بار تسبیح پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ ایک لاکھ بار، ہاں اگر انگلیاں (شمار کرنے سے) چوک جائیں تو اور بات ہے۔'' (الحلیۃ: ص۵/۱۵۷)

حضرت کُرز رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت فضیل بن غزوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں کُرز بن وبرہ الحارثی کے گھر گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے ان کی نمازگاہ ہے جس کو انہوں نے بھوسہ وغیرہ سے بھرا ہوا ہے اور طویل قیام کرنے کے لئے اس پر چادر بچھائی ہوئی ہے، حضرت کرز رحمۃ اللہ علیہ دن رات میں تین مرتبہ قرآن (مکمل) پڑھ لیتے تھے، محراب کے پاس ان کی ایک لکڑی ہوتی کہ جب اونگھ آتی تو اس پر ٹیک لگا لیتے تھے۔''

(حلیۃ الاولیاء: ص۵/۷۹، سیر اعلام النبلاء: ص۶/۸۴-۸۵)

حضرت ابن طارق رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن طارق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جب وہ طواف کے لئے آئے تو طواف میں مشغول لوگوں نے ان کے لئے راستہ کشادہ کر دیا، اور انہوں نے پیوند لگے ہوئے جوتے پہنے ہوئے تھے، اس دن ان کے طواف کا اندازہ لگایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ دن رات میں دس فرسخ (کے فاصلہ کے برابر) طواف کرتے ہیں۔ (الحلیۃ: ص ۸۲/۵)

حضرت معاذہ رحمۃ اللہ علیہا کا وقت کی قدر

☆...... حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذہ رحمۃ اللہ علیہا کی عادت یہ تھی کہ جب دن چڑھتا تو کہتیں کہ یہ میرا وہ دن ہے جس میں میری وفات ہوگی، چنانچہ شام تک نہ سوتیں، پھر جب رات آتی تو کہتیں کہ یہ میری وہ رات ہے جس میں میری وفات ہوگی، پھر صبح تک نہ سوتیں، سردی کے دنوں میں باریک کپڑے پہنتیں تاکہ سردی کی وجہ سے نیند نہ آئے۔

(اخرجہ ابن ابی الدنیا فی "التھجد وقیام اللیل": ص (۷۸) الحدائق: ص ۲۴۳/۳)

ایک چرواہا اور وقت کی قدر

☆...... حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے اطراف میں نکلے، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تھے۔ دستر خوان بچھایا گیا، ایک چرواہا گزرا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ آجایئے! اس نے کہا کہ میں روزے سے ہوں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی سخت گرمی میں؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم! (بے کار) گذرے ہوئے ایام سے سبقت لے جانا چاہتا ہوں۔ (اخرجہ ابن ابی الدنیا فی "قصر الامل": ص ۱۸۷)

ایک چرواہا کی قابل رشک زندگی اور وقت کی قدر

☆...... ایک دفعہ حضرت روح بن زنباع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ قیام کیا اور کھانا ان کے سامنے رکھا گیا تو ایک چرواہا آیا، آپ نے اس سے کہا کہ کھانے کے لئے آجایئے!

اس نے کہا کہ میں روزہ دار ہوں، آپ نے کہا کہ ایسی گرمی میں؟ اس نے کہا کہ کیا میں اپنے (زندگی کے) ایام کو یوں ہی بے کار گزار دوں؟ پھر آپ نے یہ شعر کہا۔

لقد ضننت بایامک یاراعی

اذجا دبھا روح بن زنباع

''اے چرواہے! تو نے اپنی زندگی کے ایام کے ساتھ بخل کیا ہے، جب کہ روح بن زنباع نے ان ایام کو یوں ہی گنوادیا ہے''۔

(قصر الامل: ص(۱۸۸) تاریخ دمشق: ص ۶/۱۵۳)

حضرت منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس تک روزہ رکھا، رات کو قیام اور دن کو صیام میں گزارتے، رات کو بہت روتے تو والدہ کہتیں کہ کیا تو اپنے آپ کو مار دے گا؟ آپ کہتے کہ میں اپنی جان کے ساتھ کیا کرتا ہوں، یہ مجھے خوب معلوم ہے، جب صبح ہوتی تو آنکھوں میں سرمہ لگاتے اور سر میں تیل ڈالتے اور ہونٹوں کو آراستہ کرتے اور پھر لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے۔

(التھجد وقیام اللیل ص:(۱۲۳) محاسبۃ النفس: ص(۹۰) الحدائق: ص(۲/۲۳۴) الحلیۃ: ص(۵/۴۱))

☆...... محمد بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پڑوسن تھی جس کی دو بیٹیاں تھیں جب لوگ سو جاتے تو وہ دونوں گھر کی چھت پر چڑھتیں، ایک رات ان میں سے ایک بیٹی نے اپنی والدہ سے کہا کہ اماں جان! فلاں گھر کی چھت پر جو عورت کھڑی ہے وہ کون ہے اور کیا کرتی ہے؟ والدہ نے کہا بیٹی! وہ کوئی عورت نہیں ہے جو کھڑی رہتی ہے بلکہ وہ (بزرگ) منصور ہیں جو ساری رات ایک رکعت میں گزار دیتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... احمد بن محمد مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب حضرت ابو بکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بہن

رونے لگی، آپ نے کہا کہ رونے کی ضرورت نہیں، پھر گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تیرے بھائی نے اس گوشہ میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا ہے۔ (الحلیۃ: ص ۸/۳۰۴، الحدائق: ص ۳/۲۴۴)

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میری نماز با جماعت فوت نہیں ہوئی۔ (الحلیۃ: ص ۲/۱۶۲)

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو (وہاں) سجدہ کی حالت میں ہی سوتے تھے۔ (اخرجہ احمد فی "الزھد": ص ۲/۲۸۵، وابن ابی الدنیا فی "التھجد وقیام اللیل" ص: (۶۹) وابو نعیم فی "الحلیۃ" ص: (۲/۹۵))

حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... ایک آدمی نے حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ٹھہریئے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ سورج کو روک لو، (پھر میں بات کرنے کے لئے تیار ہوں)۔ (صید الخاطر: ص ۴۰۶)

حضرت معروف الکرخی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... جب لوگوں نے حضرت معروف الکرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے میں کافی دیر کر دی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے؟ بلاشبہ سورج کو چلانے پر مامور فرشتہ اس کو چلانے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ (صید الخاطر: ص ۴۰۶)

حضرت ابوبکر النہشلی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت ابوبکر النہشلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت لوگ حاضر ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ اشارے سے عبادت کر رہے ہیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ اس جان کنی کی حالت میں بھی آپ مصروف عمل ہیں؟ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اعمال

نامہ لپیٹے جانے سے پہلے پہلے کچھ کرلوں۔

(قصر الامل: ص (۱۵۹) اقتضاء العلم: ص (۱۷۹)، الحدائق: ص ۳/ ۲۳۵، السیر للذھبی: ص ۷/ ۳۳۳)

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... احمد بن محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر العطار رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، رکوع وسجدہ میں اپنے پاؤں کو موڑ لیتے، اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا، دونوں پاؤں متورم (سوج) ہو چکے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہ نعمتیں ہیں۔ اللہ اکبر۔

(سیر اعلام النبلاء: ص ۷/ ۳۳۳)

(ایک روایت میں ہے کہ) نماز سے فارغ ہونے کے بعد جُریری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ اس حالت میں لیٹ جاتے تو بہتر تھا! فرمایا کہ اے ابو محمد! یہ ایسا وقت ہے کہ ہم سے اس کے بارے مواخذہ ہوگا۔ اللہ اکبر۔ چنانچہ اسی حالت میں ان کی روح قبض ہوگئی۔ (الحلیۃ: ص ۱۰/ ۲۸۱)

حضرت داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ کی خادمہ نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو روٹی کی خواہش ہے؟ فرمایا کہ روٹی کھانے اور چورہ پینے کے درمیان پچاس آیتوں کا فرق ہے۔ (یعنی چورہ کھانا بہتر ہے تاکہ قرآن کی پچاس آیتیں تلاوت ہو جائیں)۔

(الحلیۃ: ص ۷/ ۳۵۰)

حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد ساری رات قیام اللیل میں گزارتے تھے، یہاں تک کہ صبح کی نماز اسی وضو سے تقریباً چالیس سال تک پڑھی۔

(تاریخ بغداد: ص ۱۴/ ۳۴۱)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت اصبغ بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جب شام ہوتی تو کہتے کہ یہ رکوع کی رات ہے، چنانچہ رکوع کرتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ (الحلیۃ: ص۲/۸۷)

وقت کی قدر کرنے والی دو عبادت گزار خواتین

☆...... حضرت عبدہ بنت ابی شوال رحمۃ اللہ علیہا جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی خادمہ تھیں، فرماتی ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ساری رات نماز میں مشغول رہتیں، جب صبح صادق ہوتی تو تھوڑی دیر کے لئے آرام کرتیں، یہاں تک کہ فجر کی روشنی ہوتی تو بیدار ہو جاتیں اور میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنتی کہ اے نفس! تو کب تک سویا رہے گا؟ اور کب اٹھے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو کچھ دیر کے لئے سوئے اور نیند سے اس وقت بیدار ہو جب حشر برپا ہو چکا ہو اور چیخ و پکار کا سماں ہو۔

(التھجد وقیام اللیل: ص۱۰۷)

☆...... حضرت احمد بن احمد سہل الاردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ قراء کی ایک جماعت ایک بزرگ عبادت گزار خاتون کے پاس آئی تا کہ ان سے بات کرے کہ اپنی جان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، وہ کہنے لگیں کہ میں اپنی جان پر نرمی کیونکر کروں؟ زندگی کے ایام تو مسابقت کے ایام ہیں، جو چیز آج کے دن چھوٹ گئی وہ کل کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ بھائیو! خدا گواہ ہے جب تک میرے دم میں دم ہے میں اللہ کی رضا کے لئے ضرور نماز پڑھتی رہوں گی اور اس کی رضا جوئی کے لئے زندگی بھر روزے رکھوں گی اور جب تک میری آنکھ میں پانی موجود ہے میں اس کے لئے ضرور آہ و بکا کروں گی، پھر کہنے لگیں کہ تم میں کون ایسا ہے جو اپنے غلام کو کسی کام کا حکم دے اور اس بات کو پسند کرے کہ اس میں کوتاہی ہو؟

حضرت عثمان الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... محمد بن محمد عبدالعزیز العباسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دن اپنے ماموں کے ہمراہ حضرت عثمان بن عیسیٰ الباقلانی

رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، (واقعہ یہ ہوا کہ) ان سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ مسجد سے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے، حضرت عثمان الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ تسبیح میں مشغول تھے، میرے ماموں نے ان سے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے! انہوں نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ! تم نے میری توجہ ہٹا دی، تم اس چیز کو دیکھو اور وہ کام کرو جس کا تم میرے بارے میں گمان کرتے ہو اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، پھر میں نے دعا کے لئے کہا تو مجھے فرمایا کہ " رفق الله بک "یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ نرمی والا معاملہ کرے۔ میں مزید خواستگار ہوا تو فرمایا کہ وقت ختم ہو رہا ہے اور صحیفے ختم ہونے کو ہیں۔ حضرت عثمان الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ دائم الذکر تھے، آپ فرماتے تھے کہ غروب آفتاب کے وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری جان نکل رہی ہے، اس لئے کہ اس وقت افطار کی وجہ سے ذکر موقوف ہو جاتا تھا۔

(صفۃ الصفوۃ: ص ۲/ ۴۸۳، تاریخ بغداد: ص ۱۱/ ۳۱۳)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... حضرت عبداللہ بن محمد النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہر ماہ تیس قرآن پاک ختم فرماتے اور ہر ماہ رمضان میں ساٹھ قرآن پاک ختم فرماتے تھے۔

(اخرجہ البیھقی فی "مناقب الشافعی: ص ۲/ ۱۵۹، ابو نعیم فی "الحلیۃ": ص ۹/ ۱۳۴)

☆...... اپنے سابقین امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عباسی خلافت میں قاضی کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عراق اور مصر میں انہوں نے جو وقت گزارا وہ ان کا سب سے زیادہ مصروف زمانہ تھا، یہ وقت انہوں نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں گزارا۔ ان کی روزمرہ زندگی ایک نظام کے تحت بسر ہوتی تھی جس سے وہ کبھی انحراف نہیں کرتے تھے۔ وہ بڑے خوش اوقات واقع ہوئے تھے اور انہوں نے مختلف امور کے لئے اوقات مقرر کر رکھے تھے جن کی وہ سختی سے پابندی کرتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں اجتہاد اور روایت کا درمیانہ راستہ اختیار کیا،

انہوں نے اپنے رسالہ میں فقہ کے اصولوں سے متعلق مفصل تحقیق اور بحث کی ہے۔ اس طرح وہ اصول فقہ کے بانی تسلیم کیئے جاتے ہیں۔حنفیوں کے برخلاف انہوں نے قیاس کے متعلق باقاعدہ اصول مرتب کئے اور بتایا کہ استحسان سے کوئی تعلق نہیں ہے،اس اشتباہ سے متعلق اصول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے مرتب کئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں بہت جاندار مکالمے تحریر کئے ہیں اور ان سے اپنی فرمودات کی وضاحت میں بہت کام لیا ہے۔انہوں نے اپنے رسالہ میں فقہ کے اصولوں کی بڑی وضاحت کی ہے اور اس طرح حنفی اور مالکی فقہ کا درمیانی راستہ اختیار کیا ہے۔ان کی تحریروں اور تقریروں کو "کتـــاب الام" میں جمع کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے امام صاحب کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وقت کی قدر

☆...... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۷ یا ۱۹ سال سوائے شدید بیماری کے میں نے کبھی بھی بغیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فجر کی نماز ادا نہیں کی، اور یہ کیوں؟ صرف وقت کی قدر اور صحبت شیخ کو غنیمت سمجھنے کی وجہ سے،اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نوازا اور علوم کی ایسی فراوانی عطا کی کہ خلفاء بنو عباس ، مہدی، اور ہارون الرشید کے ادوار میں قاضی القضاۃ رہے،ان کے یہاں تو وقت کی یہ قدر تھی کہ بیٹا فوت ہوا لیکن ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس قضاء نہیں کی۔

(قیمة الزمن عند العلماء، شیخ عبد الفتاح ابو غدة ص : ۳۰)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رات کو بہت کم سوتے تھے، کتابیں پاس رکھ کر رات بھر مراجعت کتب اور مطالعہ کا سلسلہ جاری رہتا۔

(قیمة الزمن عند العلماء للشیخ عبد الفتاح ابو غدة ص ۳۳)

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کے پاس آخر شب کی تاریکی میں پہنچتا،اور کبھی دو کبھی تین یا چار مسئلے دریافت کرتا اس وقت امام محترم کی

طبیعت میں کافی انشراح محسوس ہوتا ایک دفعہ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے لیکن مجھے نیند کے غلبہ میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا، آنکھ اس وقت کھلی جب ان کی ایک کالی کلوٹی باندی نے مجھے ٹھوکر مار کر یہ کہا تیرے آقا چلے گئے وہ تیری طرح غافل نہیں رہتے، آج ۴۹ سال ہونے کو آئے، انہوں نے فجر کی نماز کبھی کبھار کے علاوہ ہمیشہ عشاء ہی کے وضو سے پڑھی ہے، اس کلوٹی نے آپ کو امام صاحب کے پاس اکثر آتے جاتے دیکھ کر ان کا غلام سمجھا، ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مسلسل سترہ سال رہا۔

مد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ مدینہ سے چل کر عراق آئے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی آپ کی زیادہ آمد ورفت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھی جب وہ پہلے پہل آپ کے پاس پہنچے تو یوں کہا جناب میں ایک پردیسی اور غریب آدمی ہوں آپ سے حدیث سننے کے شوق میں حاضر ہوا ہوں، لیکن آپ کے یہاں طلبہ کی بہت ..ی تعداد ہے جس کی وجہ سے میرا علمی فائدہ بہت کم ہوگا، اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔

علم کے شیدائی کی یہ طلب صادق دیکھی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم دن میں تو سب کے ساتھ (سبق) سن لیا کرو البتہ رات کا وقت صرف تمہارے لئے مخصوص رہے گا تم رات کا قیام میرے یہاں کرنا میں وہیں تمہیں احادیث سنایا کروں گا۔

امام ابوالوفاء رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

حافظ ابن رجب کی "ذیل طبقات الحنابلہ" میں امام ابوالوفاء علی بن عقیل الحنبلی البغدادی کی سوانح میں آیا ہے کہ:

وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے جائز نہیں کہ میں زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کروں جب تک میری زبان مذاکرہ ومناظرہ سے گنگ نہ ہو جائے، اور میری نگاہ مطالعہ سے معطل نہ ہو جائے، رات کی تاریکی میں جب میں راحت کر رہا ہوں اس وقت بھی اپنی فکر کو میں کام میں لاتا ہوں اور اس وقت اٹھتا ہوں جب میرے دل میں وہ چیز مجھ کو لکھنی ہوتی ہے۔

میں اسی (۸۰) سال کا ہو کر بھی اپنے دل میں علم کی حرص زیادہ پاتا ہوں اس سے جو میرے دل میں بیس سال کی عمر میں تھی، میں انتہائی کوشش سے اپنے کھانے کے وقت کو کم کرتا ہوں اور میں خشک روٹی کو ستو کے پانی کے ساتھ حلق سے نیچے اتارنے کو ترجیح دیتا ہوں روٹی پر، کیونکہ ان دونوں میں چبانے کا فرق ہے، تاکہ مطالعہ کے لئے زیادہ وقت نکل آئے یا ایسا فائدہ لکھ لوں جس کو میں کھانے میں نہیں پا سکتا، عقلاء کے نزدیک بالاجماع سب سے اہم حاصل کرنے والی چیز وقت ہے، اس میں فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، اس لئے کہ ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور وقت تیزی سے گزر جاتا ہے۔

ان کے شاگردوں کے شاگرد شیخ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ ابن عقیل ہمیشہ علم کے ساتھ مشغولیت رکھنے والے تھے، ان کے خیالات معطر تھے وہ دقائق اور غوامض سے بحث کیا کرتے تھے، انہوں نے اپنی کتاب " الـفـنـون" کو اپنے معطر خیالات اور واقعات کا مناط بنایا ہے۔

حافظ ابن رجب نے کہا ہے کہ ابن عقیل کی مختلف علوم وفنون میں تقریباً بیس تصانیف ہیں، سب سے بڑی تصنیف ان کی کتاب " الفنون " ہے یہ بہت بڑی کتاب ہے اور اس میں بہت سارے فوائد ہیں، وعظ، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ دین، نحو، لغت شعر، تاریخ، حکایات اور اس میں ان کے مناظرے اور وہ مجالس بھی ہیں جو منعقد ہوئیں اور ان کے خیالات اور نتائج فکر بھی درج ہیں۔

حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، مجھ کو ایسے شخص نے یہ بات بتائی جس نے چار سو سے اوپر والی کوئی جلد دیکھی ہے، حافظ ابن رجب کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی آٹھ سو جلدیں ہیں۔

حافظ ابن رجب نے قاری، فقیہ، حنبلی، ابو محمد عبداللہ بن المبارک العکبری المعروف ابن نیال رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۵۲۸ھ) کے احوال میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۷۰ برس سے زیادہ تھی، ابونصر الزینی سے انہوں نے حدیث پڑھی، ابو الوفاء ابن عقیل اور ابو سعد البردانی سے فقہ حاصل کی، یہ شافعی اور حنبلی مسلک کے اکابرین کے ساتھ چلتے تھے، کسی نے ان کو ابن عقیل کی کتابوں کے خریدنے کا اشارہ کیا تو انہوں نے اپنی ملکیت میں جو کچھ تھا فروخت کر دیا اور کتاب " الـفـنـون" اور کتاب " الـفـصـول " خرید کر

مسلمانوں کے لئے وقف کردیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

اس گوشے کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ ان کے ہاں وقت کی کیا اہمیت تھی، وقت کو کس طرح بچاتے، مہمانوں کی آمد یا بے کارو بے مشغلہ افراد کے آنے کے وقت آپ کا طریقہ کیا رہا ہے، اپنی معروف کتاب "صید الخاطر" کی جلد اول اور صفحہ ۴۶، ۲۰۱ اور جلد دوم کے صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹، اور تیسری جلد کے ص ۶۱۶ میں فرماتے ہیں۔

"انسان کو چاہیئے کہ اپنے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانے، ایک لمحہ کو بھی بے کار ضائع نہ کرے۔ بلکہ ہر لحظہ کو ذریعہ ثواب بنائے، البتہ اس میں اپنی نیت کو فساد سے بچائے، اور ہر قول و عمل میں نیت کو صاف اور خالص رکھے،

جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے (نیة المؤمن خیر من عمله) "مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔

سلف صالحین اپنے ہر لحظے کی حفاظت کرتے، فضول گوئی سے بچاتے چنانچہ مشہور تابعی حضرت عامر بن عبد قیس جو عابد و زاہد تھے سے کسی نے کہا مجھ سے بات کیجئے۔ تو فرمایا: "سورج کو روکو"۔

میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وقت کو عجیب انداز سے برباد کرتے ہیں، رات اگر لمبی ہو جائے تو فضول گوئی یا بے فائدہ قصے کہانیوں اور ناولوں کو پڑھنے میں وقت صرف کرتے ہیں اور رات کوتاہ ہو جائے تو رات نیند میں اور دن کو تفریح گاہوں اور بازاروں میں ضائع کرتے ہیں۔ وقت ضائع کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار محو گفتگو ہوں اور کشتی ان کو اَن جان مقام کی طرف لے جا رہی ہو اور یہ اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو وقت کی قدر و قیمت اور اپنے وجود کے مقصد کا ادراک رکھتے ہیں، عمر بڑا قیمتی سرمایہ ہے، ہاتھ سے نکلنے سے پہلے کام لو۔ اور اس کو قیمتی بناؤ۔

بے کاروں کی صحبت سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اکثر لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ بھی عام وقت ضائع کرنے والوں کی طرح معاملہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو زیارت یا خدمت کا نام دیدیتے ہیں، اور پاس بیٹھنے کا مطالبہ کرتے ہیں،

اور بیٹھ کر بے مقصد باتوں میں لگ جاتے ہیں، درمیان میں غیبت بھی شروع ہو جاتی ہے، یہ ہمارے زمانے کے اکثر لوگوں کا طریقہ ہے، خصوصاً عام خوشیوں اور عیدین کے موقعوں پر ایک دوسرے کے پاس جاتے ہیں صرف مبارک باد دینے اور سلام عرض کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ایسی گفتگو بھی چھیڑ دیتے ہیں جس سے وقت برباد ہوتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ وقت قیمتی ترین سرمایہ ہے، اس کو نیکی میں صرف کرنا فرض ہے تو اس کو ضائع کرنے کو ناگوار سمجھا، اور لوگوں کے مذکورہ طریقے سے پہلوتہی کی، بلکہ ان کے ساتھ بین بین رہا۔ کیونکہ مکمل انقطاع بھی ممکن نہ تھا۔ مکمل ان کا ساتھ دینا بھی غلطی سے خالی نہ تھا تو ملاقاتوں کو کم سے کم کرنے کی کوشش کر کے وقت بچانے کی تدبیر کی۔ پھر ایسا کام ڈھونڈ نکالا جو بات چیت کے درمیان بھی چلتا رہا، تاکہ وقت کم سے کم خرچ ہو، مثلاً یہ طریقہ نکالا کہ کسی کی آمد کے وقت کاغذ کاٹ کہ لکھنے کے لئے درست کرنا اور قلم تراش کر تصحیح کرنا اور وہ کام جو بات چیت کرتے ہوئے بھی انجام دیا جاسکتا ہے کرنے لگا، جس کے لئے فکر، حضور قلب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر لوگ مقصد زندگی ہی سے غافل ہیں، زندگی کا مطلب ہی نہیں سمجھتے، ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی فراوانی سے نوازا ہے کمائی کی انہیں ضرورت نہیں، وہ اپنے اوقات کو بازاروں میں آنے جانے میں ضائع کرتے ہیں، جس کی وجہ سے منکرات میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، اور ان میں سے بعض لوگ فضول کھیلوں میں قیمتی وقت کو بے دردی سے ضائع کرتے ہیں، یا فضول قصے کہانیوں اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی بے فائدہ بحث میں ضائع کرتے ہیں۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ وقت کی قدر و قیمت کی پہچان کی دولت اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عطا نہیں فرمائی یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ کم ہی لوگ اس کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ ﴿وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمر کے اوقات کی قدر و قیمت پہچاننے اور اس کو غنیمت جاننے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ”میں اپنی حالت بتاتا ہوں۔ میں کتابوں کے مطالعے سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ مجھے کوئی ایسی کتاب مل جائے جو پہلے میری دیکھی ہوئی نہ ہو، تو ایسا لگتا ہے گویا مجھے بیش بہا خزانہ مل گیا۔ میں نے مدرسہ نظامیہ

کے کتب خانہ میں کتابوں کی فہرست دیکھی جو چھ ہزار کتابوں پر مشتمل تھی، اس فہرست میں امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں، حمیدی کی کتب، محمد فتوح اندلسی کی تصنیفات، ہمارے شیخ عبدالوہاب الانماطی، ابن ناصر اور ابو محمد کی تصانیف اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں تھیں سب کو پڑھ ڈالا۔ اگر میں کہہ دوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد بھی کتابوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ ان ساری کتابوں کو پڑھنے اور ان کی بلند ہمتی، حفاظت دین اور عبادات اور عجیب وغریب علوم کو پڑھنے کے بعد اپنے زمانے کے لوگوں کی ہمتوں کو اپنے سے پست اور کم تر پایا۔ وللہ الحمد۔

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے "ذیل طبقات الحنابلہ" کے جلد ۱ص ۴۱۲ اور صفحہ ۴۱۳ میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کوئی ایسا فن نہیں ہے جس میں ان کی تصنیف نہ ہو' ان کی تصانیف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: تین سو چالیس سے متجاوز ہیں'' ان میں بعض کتابیں بیس جلدوں پر مشتمل ہیں۔

مؤلف عبداللطیف ان کے متعلق فرماتے ہیں: ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں سے ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرتے تھے، روزانہ چار رجسٹر لکھتے، سالانہ پچاس سے ساٹھ کتابیں تصنیف فرماتے۔ ان کے پوتے ابوالمظفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا جان کو آخری عمر میں ممبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار کتابیں لکھی ہیں۔

ابن الوردی "تتمة المختصر فی اخبار البشر" جلد، صفحہ ۱۲۸ میں رقمطراز ہیں کہ میں نے ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے رجسٹروں کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا تو روزانہ نو رجسٹر بنے۔

القمی نے "الکنی والالقاب" نامی کتاب میں لکھا، ان قلموں کے برادہ کو جمع کیا گیا جن سے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث لکھی تو ایک معتد بہ حصہ جمع ہوا، انہوں نے وصیت کی تھی، میرے مرنے کے بعد غسل کے پانی کو ان برادوں سے گرم کیا جائے تو ایسا کیا گیا تو یہ برادے غسل کے پانی کو گرم کرنے کے لئے نہ صرف کافی ہوئے بلکہ بچ بھی گئے۔

الاستاذ عبدالحمید العلوجی العراقی نے "مؤلفات ابن جوزی رحمة الله

علیہ " کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کو عراقی وزارت الثقافۃ والارشاد نے ۱۳۸۵ھ میں طبع کرایا۔اس میں آپ کی ۵۱۹ کتابیں لکھی ہیں جن میں بڑی بڑی کتابیں بیس بیس جلدوں پر مشتمل اور چھوٹی کتابیں بھی کئی صفحات پر مشتمل تھیں۔اوراس کے مقدمہ میں ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابن تیمیہ نے " اجوبۃ المصریہ " میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالفرج بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصنیف والتالیف تھے،مختلف علوم میں ان کی تصانیف ہیں جن کی تعداد ہزار سے متجاوز ہے۔

سلف صالحین اور وقت کی قدر

حضرات سلف صالحین تضییع وقت سے سخت گریز کرتے۔حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اپنی ہر بات کو شمار کرتے۔کسی بزرگ کے پاس لوگ جا کر کہنے لگے۔شاید ہم نے آپ کی مصروفیت میں خلل ڈالا تو فرمانے لگے۔سچ بتادوں، میں قرآن کریم پڑھ رہا تھا۔تمہاری وجہ سے چھوڑ دیا۔

حضرت امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ روٹی کھانے کے بجائے سفوف پھانکتے اور فرماتے روٹی کھانے اور سفوف پھانکنے میں پچاس آیات پڑھنے کا فرق ہے۔عثمان الباقلاوی دائم الذکر بزرگ تھے،فرماتے افطار کے وقت روٹی کھاتے وقت ذکر چھوٹنے سے مجھے ایسا لگتا ہے جیسا کہ میری روح نکل رہی ہے۔بعض بزرگ اپنے شاگردوں سے فرماتے: یہاں سے نکلنے کے بعد علیحدہ علیحدہ چلو کہ شاید اس طرح قرآن پاک پڑھتے ہوئے چلو اکٹھے جانے کی صورت میں گفتگو میں وقت ضائع کروگے۔

یقین کیجئے! وقت اتنا قیمتی ہے کہ اس میں سے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔

وقت کو بچانے اور قیمتی بنانے میں سب سے بڑی مددگار چیز یکسوئی اور گوشہ نشینی ہے، لوگوں سے میل ملاپ میں کمی اور کم خوری بھی ہے، اس لئے کہ بسیار خوری لمبی نیند اور رات کو ضائع کرنے کا باعث ہے۔جو اسلاف کی سیرت کو دیکھے اور آخرت کی جزاء وسزا پر یقین کرے اس کے سامنے واضح ہو جائیگا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔

علماء متقدمین کی ہمتیں بلند تھیں۔ ان کی ساری زندگی کا نچوڑ اور ان کی تصنیفات اس پر دال ہیں۔ ہاں البتہ ان کی اکثر تصنیفات مٹ گئیں اس لئے کہ بعد میں آنے والے طلبہ کی ہمتیں کمزور ہو گئیں ان کو طویل سمجھ کر استفادہ نہ کر سکے۔ مختصرات پر قانع ہوئے، پھر معاملہ صرف درس تدریس پر اکتفاء کا رہ گیا، جس سے وہ ساری تصانیف زوال پذیر ہو گئیں، طلب علم میں کمال پیدا کرنے کا واحد راستہ علماء سابقین کی کتابوں سے واقفیت اور مطالعہ ہے، کیوں کہ اس سے ہمتیں بلند ہوں گی، دل میں بیداری پیدا ہوگی، محنت کا شوق پیدا ہوگا۔

لٰہذا تم متقدمین کے احوال کے ملاحظے کو ضروری سمجھو، ان کی تصانیف کو حرز جان بناؤ، بلکہ ان کا کثرت سے مطالعہ کرو۔ کسی شاعر نے کہا:

فاتنی ان اری الدیار بطرفی   فلعلی اری الدیار بسمعی

''میرے پاس آؤ کہ میں اپنی آنکھوں سے گھروں کو دیکھ لوں ہوسکتا ہے کہ میں کانوں سے دیکھ لوں''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نظام الاقات کے پابند تھے ہر کام کا وقت مقرر تھا اور ایک ایک لمحہ کو تول تول کر خرچ کرتے تھے یہاں تک لکھنے کے دوران قلم پر قط رکھنے کی ضرورت پیش آتی تو اتنی دیر بیکار نہ گزارتے اس وقفے میں زبان سے ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے تھے (ابن حجر العسقلانی للدکتور شاکر بحوالہ الجواہر والدرر، ص ۲۳۳؛ جہان دیدہ، ص ۱۵۵)

(ف) وقت کی اس قدر دانی ہی کی برکت تھی اللہ نے ان سے وہ کام لیا کہ آج اگر ان کی تصانیف کو کوئی شخص صرف نقل ہی کرنا چاہے شاید وہ عمر بھر وہ نقل بھی نہ ہوسکیں اور تصانیف بھی کوئی عامیانہ نہیں ایسی محققانہ کہ جو بات قلم سے نکلی وہ سند بن گئی بلکہ حدیث کے معاملے میں تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا محض سکوت (یعنی کسی حدیث کو بیان کر کے اس پر بلا تبصرہ گزر جانا) بھی فتح الباری اور تلخیص میں بہت سے علماء کے نزدیک حجت قرار دیا گیا۔

ابنِ عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

ابنِ عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ چھٹی صدی کے مشہور عالم اور حنابلہ کے ائمہ میں سے ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور علم و مطالعہ کا غیر معمولی شوق عطا فرمایا تھا، خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، یہاں تک کہ جب علمی بحث کرتے کرتے میری زبان تھک جائے اور مطالعہ کرتے کرتے آنکھیں جواب دینے لگیں تو میں لیٹ کر مسائل سوچنے لگ جاتا ہوں۔ بیس سال کی عمر میں علم کے شوق کا جو جذبہ میرے اندر تھا یہ جذبہ اس وقت کچھ زیادہ ہی ہے جب کہ اب میں اسّی (۸۰) کے پیٹے میں ہوں، میں مقدور بھر کوشش کرتا ہوں کہ کھانے میں کم سے کم وقت لگے، بلکہ اکثر اوقات تو روٹی کے بجائے چورہ کو پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں کیونکہ دونوں کے درمیان وقت صَرف ہونے کے لحاظ سے کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے اور چبانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے، جب کہ ثانی الذکر کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے نسبتاً کافی وقت نکل آتا ہے۔"

(طبقات حنابلہ ج۱ ص۱۲۱)

فائدہ: ابوالحسن علی بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شہرہ آفاق کتاب "**ادب الدنیا و الدین**" میں بڑی اچھی بات لکھ دی ہے:

"مَنْ تَفَرَّدَ بِالْعِلْمِ لَمْ تُوْ حِشْهُ الْخَلْوَةُ وَمَنْ تَسَلّٰى بِالْكُتُبِ لَمْ يَفُتْهُ سَلْوَةٌ، وَمَنْ اٰنَسَهٗ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ لَمْ يُوْحِشْهُ مُفَارَقَةُ الْإِخْوَانِ."

ترجمہ: "جو علم کو لے کر تنہائی اختیار کر لے، خلوت سے اس کو وحشت نہیں ہوگی، جو کتابوں کو اپنے لئے سامانِ تسلی بنا دے تو وہ تسلی پائے گا اور جس کو قرآن کی تلاوت سے اُنس ہو جائے تو بھائیوں اور دوستوں کی جدائی سے اس کو کوئی غم نہیں ہوگا۔ (ادب الدنیا والدین ص ۶۸)

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ جرح وتعدیل کے امام ہیں، فرماتے تھے: کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والد کھانا کھا رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں، میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلاء میں داخل ہو رہے ہیں، میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔

اور فرماتے تھے: ہم مصر میں طالبِ علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ سات ماہ رہے، دن پورا کا پورا شیوخِ احادیث کی مجلس میں تقسیم تھا، دن کو پڑھتے اور رات کو لکھتے تھے۔

ایک دن میں اور میرا رفیق ایک شیخ کی مجلس میں بروقت پہنچے، معلوم ہوا آج شیخ علیل ہیں، چونکہ اب دوسری مجلس درس میں کچھ وقت تھا، اتنے میں ایک مچھلی خرید کر ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ اگلی مجلسِ حدیث کا وقت ہو گیا، مچھلی کو چھوڑ کر مجلس میں حاضر ہوئے، تین دن گزر گئے لیکن اس کے پکانے کا موقع نہیں ملا، اب پکانے کے لئے فرصت کہاں سے لاتے، اس لئے بن بھونے وہ مچھلی ہم نے کچی کھالی، یہ واقعہ سنا کر حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے:

﴿ لَایُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ ﴾

''جسم کی راحت کے ساتھ کبھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۲۶۶)

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ذمہ کام بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت مختصر، انسان کا مستقبل موہوم ہے، اس کا حال ثبات سے خالی ہے، اور اس کا ماضی اس کی قدرت سے باہر ہے، جس نے حال سے فائدہ اٹھایا، طلب ومحنت جاری رکھی اور اپنی دنیا آپ زندوں میں پیدا کی، اس کے دامن نصیب میں تو کچھ آجاتا ہے ورنہ اس گردش کی تنگئ داماں کا کوئی علاج نہیں ہے، نہ یہ کسی کی خاطر رکتی ہے اور نہ گزر جانے کے بعد واپس لائی جا سکتی ہے، اقبال نے کتنی خوبصورتی سے زمانہ کی حقیقت، اس کی بے وفائی اور بے نیازی کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے۔

جو تھا، نہیں ہے، جو ہے، نہ ہوگا، یہی اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

آگے زمانے کی کیفیت خود اس کی زبانی پیش کی گئی ہے۔

''مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ مری کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ نہ تھا اگر تو شریکِ محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث سننے کے لئے محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے، محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت شروع کی، ''حدثنا محمد بن سلمة''

یحییٰ بن معین نے کہا: ''لو کان من کتابک'' یعنی اگر اپنی کتاب سے دیکھ کر روایت فرمائیں تو اچھا ہوگا، حالانکہ محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ ثقہ اور معتبر ہیں لیکن یحییٰ نے کمالِ احتیاط اور دلی خواہش کا اظہار کیا، محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ کو بالکل ناگوار نہ گزرا اور اٹھے تاکہ گھر سے کتاب لائیں، پہلے زمانے میں محدثین مسجد میں درس دیتے اور اگر افراد کم ہوتے تو گھر کے دروازے پر پڑھاتے، تو وہ دروازہ پر بیٹھ کر یہ حدیث سنا رہے تھے لیکن جب کتاب لانے کے لئے کھڑے ہوگئے تو یحییٰ نے کرتے سے پکڑ لیا اور کہا:

معلوم نہیں کہ آپ کے کتاب لانے تک میں زندہ رہوں یا نہیں، ابھی زبانی سنا دیں، پھر کتاب سے پڑھائیں۔ (شمائل ترمذی ص ۵)

حضرت عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

حضرت عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ضیاء الدین مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات کے نظام کے بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

''عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمرِ عزیز کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، فجر کی نماز پڑھتے، پھر قرآن شریف کی تلاوت کرتے، کبھی حدیث کا درس دیتے، پھر کھڑے ہو کر وضو کرتے اور ظہر سے پہلے تک تین سو رکعتیں پڑھتے، پھر کچھ دیر آرام کرتے، نمازِ ظہر کے

بعد مغرب تک وہ سننے یا لکھنے میں مشغول ہو جاتے، مغرب میں
اگر روزہ ہوتا افطار فرماتے، ورنہ عشا تک نماز میں مشغول رہتے،
بعد نمازِ عشاء نصف شب تک آرام کرتے، نصف شب کے بعد
اٹھ کر وضو کرتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے، فجر کے قریب وضو
تازہ کرتے، بسا اوقات سات سات مرتبہ وضو کرتے اور
فرماتے:

جب اعضاء تر ہوں تو مجھے نماز پڑھنے میں لطف محسوس ہوتا ہے، یہ
تھا ان کی زندگی بھر کا معمول ''(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۷۶)

فائدہ: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام
لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں، یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس
کو یوں ہی نہ گزارو۔ (مجالس مفتی اعظم ص ۶۳۱)

حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

نام ان کا عبد العظیم ہے، ''حافظ منذری'' سے مشہور ہیں، قاہرہ مصر میں ۵۸۱ھ میں
پیدا ہوئے اور وہیں ۶۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔

حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں،
قاہرہ کے مشہور مدرسہ ''دار الحدیث کاملہ'' میں بیس سال تک حدیث کے شیخ رہے۔

جہاں پڑھاتے، وہاں سے بالکل نہ نکلتے، نہ کسی کی تعزیت کرنے جاتے اور نہ
تہنیت و مسرت کے موقع پر نکلتے، زندگی بھر ایک ہی چیز کو اپنایا اور عمرِ عزیز کو اسی میں
صرف کیا یعنی مشغلہء علم! حتیٰ کہ ان کے صاحب زادے ''رشید الدین'' کا جب انتقال
ہوا جو خود ایک زبردست عالم تھے تو مدرسہ کے اندر ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جب جنازہ
اٹھایا گیا تو مدرسہ کے دروازہ تک آئے، اشک بار آنکھوں کے ساتھ کہنے لگے:

''بیٹے! اب تو اللہ کے حوالے ہے!'' وہیں سے واپس ہوئے اور مدرسہ سے
نہ نکلے۔ (طبقات الکبریٰ للسبکی ۵/۱۰۹)

فائدہ: ابن عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"وَاِنَّ اَجَلَّ تَحْصِیْلٍ عِنْدَ الْعُقَلَاءِ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ هُوَ الْوَقْتُ فَهُوَ غَنِیْمَةٌ تُنْتَهَزُ فِیْهَا الْفُرَصُ، فَالتَّكَالِیْفُ كَثِیْرَةٌ وَالْاَوْقَاتُ خَاطِفَةٌ."

علماء وعقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہیئے وقت ہے۔ لمحاتِ زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑی غنیمت ہے، اس لئے اس کو بچا بچا کر رکھنا چاہیئے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں، جب کہ وقت اُچک کر بہت جلد غائب ہونے والی چیز ہے۔ (طبقات حنابلہ ج ۱ ص ۱۴۶)

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

فرماتے ہیں کہ صرف ونحو، ادب، لغت، منطق وکلام وغیرہ سب پڑھنے اور ہر فن میں بہت کچھ استعداد ومناسبت پیدا کرنے کے بعد سات آٹھ سال تک باہر عالم کے حلقہ درس میں پوری پابندی کے ساتھ شریک ہوتا رہا اور اتنی محنت اور مشقت سے تکمیل میں مصروف رہتا کہ دن ورات کے چوبیس گھنٹوں میں شاید دو تین گھنٹے آرام کے ملتے ہوں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ احکام القرآن لکھ رہے تھے اسی اثناء میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور اسی دوران وہ وقت آیا جو تصنیف کا تھا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ اس وقت تصنیف کا معمول ہے اگر اجازت ہو تو کچھ کام کروں تاکہ ناغہ نہ ہو۔ پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اندر تشریف لے گئے اور چند لکیریں لکھیں، دل نہیں لگا تو پھر واپس آگئے لیکن بہرحال ناغہ نہ ہونے دیا۔

امام العلماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا: میں شاہ عبدالغنی صاحب

رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں کھانا مقرر تھا، آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن وہ بولے: ''مولوی! روزانہ اس راستے سے تو کہاں جایا کرتا ہے، کوئی دوسرا راستہ نہیں؟''

میں نے عرض کیا'' کھانا لینے جایا کرتا ہوں، دوسرا راستہ چونکہ بازار سے ہوکر گزرتا ہے اور وہاں ہر قسم کی اشیاء پر نظر پڑسکتی ہے اس لئے اس راہ سے آتا جاتا ہوں''۔

مجذوب کہنے لگے: شاید تجھے معاشی تنگی اور خرچ کی تکلیف ہے، میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجانا۔

فرماتے تھے، اس وقت تو حاضری کا اقرار کرآیا، مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاددہانی کی، میں نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کرآؤں گا، جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا۔

مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے، میں نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے جمعہ سے جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا، اس طرح کئی جمعے گزر گئے۔

آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس آئے اور درگاہ شاہ نظام الدین کی طرف لے جاکر ایک قسم کی گھاس مجھے دکھائی، ساتھ ساتھ ان مقامات کی بھی نشان دہی کی جہاں یہ گھاس اُگتی ہے، پھر وہ گھاس توڑ کر لائے اور مجھے طریقہ بتانے کی غرض سے میرے سامنے اس سے سونا بنایا، پھر سونا مجھے دے کر کہنے لگے، یہ بیچ کر اپنے کام میں لائیں، تاہم مجھے کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ سونا بازار جاکر بیچوں۔

مجذوب نے ایک دن خود جاکر وہ سونا بیچا اور رقم لاکر مجھے دی۔

(آپ بیتی ج۶ص ۸۱)

☆...... تذکرۃ الرشید میں ہے کہ دہلی میں بزمانہ طالب علمی جتنا بھی آپ کو قیام کرنا پڑا اس کی مدت کو دیکھئے کہ بمشکل چار سال ہوتی ہے اور ان کی استعداد کو ملاحظہ فرمایئے جس کا مخالفین کو بھی اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، بہت ہی تعجب ہوتا ہے کہ اتنے تھوڑے ایام میں آپ کو یہ سمندر کیوں کر پلایا گیا اس میں شک نہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی اور

مغلق مضمون کو جلد سمجھنے والے طالب علم تھے اور اس کے ساتھ ہی شوقین اور محنتی اس شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹہ بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات شرعیہ اور طبعیہ میں خرچ ہوتے ہوں گے اور اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہ میں ڈوبا جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لڑکے کے لئے ایک نصیحت نامہ " لَفْتَةُ الْكَبِدِ فِي نَصِيحَةِ الْوَلَدِ" کے نام سے لکھا، وقت کی اہمیت اور عمرِ عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں وہ اس میں لکھتے ہیں:

بیٹے! زندگی کے دن چند گھنٹوں، اور چند گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں، زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے، ایک ایک سانس کی قدر کیجئے کہ کہیں بغیر فائدہ کے نہ گزرے، تاکہ کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پاکر ندامت کے آنسو بہانے نہ پڑیں، ایک ایک لمحہ کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہو رہا ہے اور اس کوشش میں رہیں کہ ہر گھڑی کسی مفید کام میں صرف ہو، بے کار زندگی گزارنے سے بچیں اور کام کرنے کی عادت ڈالیں، تاکہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پاسکیں جو آپ کیلئے باعثِ مسرت ہو۔

(قیمۃ الزمن عند العلماء ص ۶۲)

حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ ہدایہ آخیرین پڑھاتے تھے، مضمون بتادیا عبارت پڑھ رہے ہیں، گھنٹی بجی کتاب بند، دوسرے دن آکر فرماتے "ہاں میں یہ بتا رہا تھا" اور اسی جگہ سے سبق شروع کرتے جہاں کل چھوڑا تھا، اس کے بعد حماسہ کا گھنٹہ ہوتا تھا وہ بھی مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ پڑھاتے تھے، بہت سے طلباء دوسرے درجوں کے حماسہ پڑھنے کے لئے آجاتے، اور بہت سے طلبہ اس درجہ کے حماسہ کے سبق میں شریک نہ ہوتے، لیکن مولانا آنے یا جانے والوں کا انتظار کیئے بغیر اپنا دوسرا سبق شروع کرتے، طلبہ بھی ان سے بہت استفادہ کرتے، اور اس کا اثر طلبہ پر فطری اور غیر شعوری طور پر ہوتا۔

ہمارے ہاں اساتذہ کوئی دس منٹ، کوئی پندرہ منٹ دیر سے جاتے ہیں اور اسی طرح دس پندرہ منٹ پہلے درسگاہ سے نکلتے ہیں۔

آپ ہمارے عزیز ہیں، آپ کو اپنی قیمت کا احساس نہیں ہے، اپنی قیمت بہتر سے بہتر بنائیں اس طرح کہ تعلیم میں بھی کوشش کریں اور تربیت میں بھی کوشش کریں، ہم اس کے قائل نہیں کہ آپ رات کو ایک دو بجے تک پڑھیں، آپ نظام الاوقات بنائیں، اور رات کو زیادہ سے زیادہ ساڑھے گیارہ بجے تک پڑھیں اور لایعنی کاموں سے بچیں، اس طرح آپ چلیں گے تو کچھ سے کچھ کر سکتے ہیں۔

وقت گزر جاتا ہے پھر افسوس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

☆...... حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے پینتالیس برس تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم دی، ان کی بیوی فوت ہوگئی، عصر کے وقت ان کو دفن کر کے آئے، مولانا مغرب کے بعد شمائل ترمذی شریف کا درس دیتے تھے، کتاب بغل میں لی اور درسگاہ میں پہنچ گئے، لوگوں نے کافی کہا سُنا حتیٰ کہ منت خوشامد بھی کی۔ مگر آپ نے فرمایا:

میں تو اپنی ڈیوٹی ادا کروں گا، حدیث کی تعلیم سے بڑھ کر کون سا کام ہو سکتا ہے۔

(خزینہ ص ۱۴۱)

فائدہ: ڈاکٹر عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ دین و دُنیا کی دولت یہی وقت ہے، جس نے وقت سے فائدہ اُٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دُنیا کا بھی۔ (مآثر حکیم الامت ص ۳۶۷)

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

محدث العصر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: جب میں دیوبند میں طالب علم تھا تو ایک روز میں نے فجر کی نماز ایک چھوٹی اپنی عمارت کی مسجد میں پڑھی، جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، نماز کے بعد میں نے اپنی چادر اسی کچے فرش پر بچھادی اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی، جمعہ کی نماز تک ایک ہی نشست میں ایک

ہی ہیئت پر چھبیس (۲۶) پارے پڑھ لئے اور چوں کہ جمعہ کی نماز کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانا ضروری تھا، اس لئے پورا نہ کر سکا، ورنہ پورا قرآن ختم کر لیتا۔

(عشاق قرآن کے ایمان آفروز واقعات ص ۱۷۸)

فائدہ: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تلاوتِ کلامِ پاک میں اس قدر انہماک پیدا کرو کہ تلاوت کرتے وقت یہ کیفیت ہو کہ گویا میں نہیں پڑھ رہا، اللہ تعالیٰ مجھ سے پڑھوا رہا ہے، جیسے: گراموفون کے اندر سے آواز نکل رہی ہے، لیکن وہ آواز گراموفون کی نہیں کسی آدمی کی ہے۔ اسی طرح تلاوت کا حال بن جائے۔ (مجالس علم و ذکر ج ۲ ص ۵۰)

☆...... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ارشاد فرمایا: اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہیئے، حدیث میں آیا ہے: فَلْيَتَزَوَّدِ الْعَبْدُ مَنْ نفسِہٖ لِنفسہٖ ومِن حیاتِہٖ لِمَوتِہٖ ومِن شَبابِہٖ لِکِبَرِہٖ ومن دنیاہ لآخرتہ بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذات میں سے اپنے لئے اور اپنی زندگی میں سے اپنی موت کے لئے اور اپنی جوانی میں سے اپنے بڑھاپے کے لئے اور اپنی دنیا میں سے اپنی آخرت کے لئے توشہ لے لے۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

(صحبتے با اولیاء: ص ۹۷)

☆..... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیئے میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کرو گے؟

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقرباء
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا، اور آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے، اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے، آپ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف کی بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے آپ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری، اور بسا اوقات تفریحی گفتگو کے لئے بھی وقت نکالتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے دل میں کوئی الارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، چنانچہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد آپ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے، سفر ہو یا حضر، آپ کا قلم چلتا ہی رہتا، ریل گاڑی میں تو آپ ایسی روانی سے لکھتے تھے جیسے ہموار زمین پر بیٹھے ہوں، اور تحریر میں کوئی خاص بگاڑ بھی عموماً پیدا نہیں ہوتا تھا، حد یہ ہے کہ احقر نے آپ کو موٹر کار، بلکہ رکشا تک میں بیٹھ کر لکھتے ہوئے دیکھا ہے، حالانکہ کار اور رکشہ کے جھٹکوں میں کچھ لکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، مگر آپ ہلکے پھلکے خطوط اس میں بھی لکھ لیتے تھے، یہاں تحریر کے طرز میں کچھ تبدیلی پیدا ہوتی، لیکن خط پھر بھی آرام سے پڑھ لیا جاتا تھا۔

آپ وقت کی وسعت کے لحاظ سے مختلف کاموں کی ایک ترتیب ہمیشہ ذہن میں رکھتے، اور جتنا وقت ملتا اس کے لحاظ سے وہ کام کر لیتے جو اتنے وقت میں ممکن ہو، مثلاً اگر گھر میں آنے کے بعد کھانے کے انتظار میں چند منٹ مل گئے ہیں تو ان میں ایک خط لکھ لیا، یا کسی سے فون پر کوئی مختصر بات کرنی ہو تو وہ کر لی، گھر کی کوئی چیز بے ترتیب یا بے جگہ ہے تو اسے صحیح جگہ رکھ دیا، کوئی مختصر سی چیز مرمت طلب پڑی ہے، تو اپنے ہاتھ سے اس کی مرمت کر لی، غرض جہاں آپ کو طویل کاموں کے درمیان کوئی مختصر وقفہ ملا، آپ نے سوچے ہوئے مختلف کاموں میں سے کوئی کام انجام دے لیا۔

ایک روز ہم لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ

ہے تو بظاہر نا قابل ذکر سی بات، لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے، انتہا یہ ہے کہ جب میں قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے، اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا، اگر لوٹا میلا کچیلا ہو تو اسے دھو لیتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت والد صاحبؒ نے مجھے پہلے پہل ہاتھ کی گھڑی حجاز سے لا کر دی تو ساتھ ہی فرمایا کہ: ''یہ گھڑی اس نیت سے اپنے پاس رکھو کہ اس کے ذریعے اوقات نماز کی پابندی کر سکو گے، اور وقت کی قدر و قیمت پہچان سکو گے، میں بھی گھڑی اس لئے اپنے پاس رکھتا ہوں کہ وقت کو تول تول کر خرچ کر سکوں۔'' اللہ تعالیٰ انہیں قربِ خاص کے مقامات میں ابدی راحتیں عطا فرمائے، وہ اسی طرح زندگی کے چھوٹے چھوٹے معمولا میں زاویہ نظر درست فرما کر انہیں عبادت بنا دینے کی فکر میں رہتے تھے۔ (میرے والد ماجد ۱۵۱)

حضرت قاری صدیق صاحب قدس سرہ کا وقت کی قدر

☆...... فرمایا کہ پوری زمانہ طالب علمی میں ۲۴ گھنٹے میں دو گھنٹہ سے زائد نہیں سوتا تھا سر میں شدید درد ہو جاتا تھا اب بھی کبھی ہو جاتا ہے لیکن پہلے کی طرح نہیں ہوتا، سخت درد کے حال میں سارا کام کرتا تھا ایک عادت سی بن گئی تھی۔

☆...... حضرت مولانا قاری صدیق صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ پاکستان کے میرے ایک ساتھی تھے ہم دونوں ایک کمرہ میں رہا کرتے تھے اور وہ بڑے صوفی تھے ایک کمرہ میں رہنے کے باوجود بات چیت بالکل نہ ہوتی تھی اور کسی کو کسی سے کچھ مطلب نہ تھا کسی کے پاس اتنا موقعہ ہی نہ تھا کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا ہوا تھا اگر کبھی اتفاق سے کوئی بات ہو گئی تو ہو گئی۔

☆...... ایک مرتبہ حضرت نے اپنے ساتھی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہم دونوں ساتھ رہتے لیکن ایک بات بھی فضول نہ کرتے وہ اپنے کام میں لگے رہتے میں اپنے کام میں، ایک مرتبہ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا صدیق اگر ہم قسم کھالیں کہ دن بھر میں ایک بات بھی فضول نہیں کرتے تو انشاء اللہ حانث نہ ہوں گے۔

☆...... حضرت قاری صدیق صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے استاذ مجھ پر بڑے شفیق اور مہربان تھے، میری پوری نگرانی رکھتے تھے کہ میں کہاں جا رہا ہوں راستہ میں کہاں ٹھہرتا ہوں کس سے بات کرتا ہوں اگر ذرا شبہ ہوتا تو فوراً تحقیق فرماتے ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں بیٹھے لکھ رہا تھا میرے ایک ساتھی نے ساتھ چلنے اور ٹہلنے پر اصرار کیا میں انکار کرتا رہا لیکن ان کے شدید اصرار کی بناء پر چلا گیا دوسرے وقت میرے استاذ نے مجھے بلایا اور فرمایا صدیق اس وقت کہاں جا رہے تھے میں بہت نادم ہوا اور صاف صاف عرض کر دیا کہ حضرت وہی پہلا دن اور وہی آخری دن ہے میں خود نہیں جا رہا تھا فلاں کے اصرار کی بناء پر چلا گیا آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا فرمایا تم صدیق ہو اس لئے سچی سچی بات تم نے کہہ دی، حضرت نے فرمایا اس کے بعد سے پھر کبھی میں ٹہلنے نہیں گیا کام ہی اس قدر ہوتا تھا کہ اسی سے چھٹی نہ ملتی تھی۔

(حیاۃ صدیق)

☆...... حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت مولانا حافظ و قاری عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ بہت اسباق تھے احقر نے جب ان سے سبعہ پڑھنے کی درخواست کی تو فرمایا وقت تو نہیں لیکن تمہارے لئے کوئی صورت نکالوں گا دوسرے طلبہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کہا اجازت ہو تو ہم بھی شریک ہو جائیں اس طرح ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی، حضرت بعد ظہر ہدایہ پڑھاتے تھے طلبہ اپنی اپنی مسجدوں سے نماز پڑھ کر آتے تھے فرمایا جو سبعہ پڑھنے والے ہیں میری مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں اور نماز کے بعد متصلاً قرأت سبعہ کا سبق ہوگا یہ وقت بڑی مشکل سے نکل سکا تھا جب تک ہدایہ کے طلبہ جمع ہوں اس وقت تک ہم لوگوں کا سبق ہوتا تھا کچھ دن کے بعد فرمایا کہ سبق کم ہوتا ہے اس لئے بعد عشاء بھی پڑھ لیا کرو، تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ فرمایا اتنی مقدار میں تو ایک سال میں پورے قرآن شریف کا اجراء نہ ہو سکے گا، اس لئے تم سب لوگ میرے ہی مکان میں سو جایا کرو اور بعد تہجد سبق پڑھ لیا کرو حضرت نے ایک مکان علیحدہ مہمانوں کے لئے تیار کر دیا تھا ہم سب طلبہ اور حضرت مولانا رات میں

اسی مکان میں سوتے تھے گھڑی میں الارم لگادیا جاتا تھا، حضرت مولانا بڑی پابندی کے ساتھ بعد تہجد فجر تک سبق پڑھایا کرتے تھے یہ ساری محنت طلبہ کے ساتھ شفقت ہی کی بناء پر تھی"۔

حضرت مولانا نے مدرسہ سے تنخواہ کبھی بھی نہیں لی افسوس آج ایسے اساتذہ کو نگاہیں ترستی ہیں اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ تعالیٰ وقت کے انتہائی پابند تھے۔ وہ جب درسگاہ میں دایاں پاؤں رکھتے تو گھنٹی لگ جاتی حالانکہ مولانا کا کمرہ درسگاہ سے دور تھا۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقت کی قدر

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نواسے اور جانشین تھے، تحصیلِ علم میں مولانا عبدالرحمٰن کو اتنا انہاک تھا کہ زمانہ طالب علمی میں اگر کوئی ہم عمر یا عزیز دہلی ملاقات کے لئے جاتا تو اس سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ یا سرسری ملاقات کے بعد صاف طور پر فرمادیتے کہ اس سے زیادہ فرصت نہیں، جب اللہ تعالیٰ بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے۔

(حکایات الاسلاف عن روایات الاخلاف ص ۱۹۵)

فائدہ: حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی صحیح قدر اِن بزرگوں کے دل میں تھی اور رہ رہ کر دل کا یہ احساس اُبھرتا کہ وقت کہیں ضائع تو نہیں جارہا، وقت کے اسی احساسِ اہمیت کی خاطر اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ صرف سلام کیا کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو۔

اور یہ اس لئے کہ عام طور پر ملاقات کے وقت رسماً خیر و عافیت پوچھی جاتی ہے تو اس میں وقت کا ضیاع ہے۔

طلبہ اپنی صحت وفراغت کی قدر کریں

طلبہ کو چاہیئے کہ اپنی صحت و فراغت کو غنیمت سمجھیں کیونکہ یہ چیزیں نہایت بے اعتبار ہیں اگر یہ موقع کھیل کود دوستی و دشمنی اور فحاشی اور لغویات وغیرہ میں گزار دیا تو تحصیل علم کا موقع نہیں ملے گا، اور افسوس وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جس میں آدمی گھاٹے میں ہے، ایک صحت دوسری فراغت یعنی طالب علم اس کی قدر نہیں کرتا اور اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور جب اس سے محروم ہو جاتا ہے تو افسوس کرتا ہے مگر اس سے کیا فائدہ؟

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

لہٰذا ضروری ہے کہ ان دونوں سرمایوں (یعنی صحت وفراغت) کی قدر کریں اور علم وعمل میں صرف کریں تاکہ دنیا وآخرت کی خیر حاصل ہو۔

حاتم الزاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چار کی قدر چار ہی جانتے ہیں۔

جوانی کی قدر صرف بوڑھے جانتے ہیں۔

عافیت کی قدر صرف مصیبت والے جانتے ہیں۔

صحت کی قدر مریضوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

زندگی کی قدر مردے ہی جانتے ہیں۔

عقلمند ہیں وہ لوگ جو وقت پر ان کی قدر کر کے بھرپور فائدہ حاصل کرلیں، اسی کو رسول خدا ﷺ نے اس طرح فرمایا: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری ومصیبت سے پہلے صحت وعافیت کو، مشغولیت سے پہلے فرصت کو محتاجی سے پہلے مالداری کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو۔

غنیمت جانو!

اے طالب علم زندگی کی قدر کر، ہر گھڑی کو غنیمت جان اور یہ سوچ کہ پتہ نہیں اگلی گھڑی کیسی آئے گی اور اس میں پتہ نہیں تیرا کیا حال ہوگا، مُردوں کی حسرت وندامت سے سبق لے کہ جو دو رکعت نماز بلکہ صرف کلمہ طیبہ پڑھنے کے بقدر زندگی کے متمنی ہیں لیکن ان کی تمنا پوری ہونے کی کوئی شکل نہیں یہ تیرے پاس زندگی کے چند لحات باقی ہیں

جو کچھ کرنا ہے انہی میں کر لے مبادا تجھ پر وہی وقت آ پہنچے کہ تو بھی حسرت وندامت کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

وقت بڑی تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے

طلبہ کو چاہیئے جتنا بھی وقت ہے اس کی قدر کر لیں، وقت بڑی تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے، صبح شام، صبح شام، کچھ پتہ نہیں چلتا، نیا سال شروع ہوتا ہے کہ فوراً پورا بھی ہو جاتا ہے، اب تو وقت گزرتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی، ایک وقت آئے گا آپ فارغ ہوں گے، جوانی بھی ختم ہو جائے گی، ایک وقت آئے گا کہ موت کا فرشتہ عزرائیل آئے گا یہ کہتے ہوئے کہ چلئے وقت ختم ہو چکا ہے اور پھر ہوا یہ کہ

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب قیامت قریب آ جائے گی تو اس وقت سال مہینوں کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزر جائے گا، اس لئے جو وقت طلب علم لئے ملا ہے اسے غنیمت جانیئے، اور اس کی پوری حفاظت کیجئے، ہر آنے والا دن ہماری زندگی کا ایک دن کم کرتا ہے لیکن کتنے طلباء ہیں جو اس حقیقت پر نظر رکھتے ہوں، ایک شعر تو بہت مشہور ہے، مگر ہے بڑا معنی خیز اور حقیقت آفریں۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو اپنے شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ادا فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ہو رہی عمر مثل برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

ایک برف کا تاجر تھا اور وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے خریدارو! جلدی آ کر خرید و اگر تم نے دیر کی تو میری پونجی ختم ہو جائے گی اور برف آہستہ آہستہ پگھل جائے گا، پھر ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، اسی طرح اللہ نے جن طلبہ کو تحصیل علم کے لئے وقت عطا فرمایا ہے انہیں بھی چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیئے، اسے سوچنا چاہیئے کہ برف کی طرح

طالب علمی کی زندگی ہر آن اور ہر لمحہ پگھل رہی ہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ طالب علمی کی زندگی ختم ہو جائے گی، اس سے پہلے کہ طالب علمی کی زندگی ختم ہو، اسے کام میں لے آنا، کتب بینی، مطالعہ، تکرار و مذاکرہ، اسباق کو یاد کرنا اور اعمال صالحہ سے اپنے وقت کو کامیاب بنانا چاہیے، ورنہ اسے عظیم نقصان اور خسران اٹھانا پڑے گا، اس وقت کو صحیح استعمال کیجئے، خدا کی رضا والا کام کرتے رہیئے اس طرح آپ حضرات فارغ ہوں گے تو بعد میں دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں کوئی لایعنی زندگی بسر کرے، نہ وہ دنیا کے لئے کوئی عمل کرے نہ آخرت کے لئے''

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جو زمانہ گزر چکا وہ تو ختم ہو چکا اس کو یاد کرنا عبث ہے، اور آئندہ زمانہ کی طرف امید رکھنا بس امید ہی ہے، تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے، ''بس اسی کی قدر کرلو''۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قیمتی جملہ لوح دل پر نقش کر لیجئے کہ ''فرصت عمر نعمت مغتنم ہے'' ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہیے ساری عمر تحصیل کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیئے''

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دریغا کہ بگوشت عمر عزیز
بخواہد گزشت ایں دم چند نیز
ہائے افسوس کہ پیاری عمر گزر گئی
یہ چند سانس بھی گزر جائیں گے

نظام الاقات

لمحے کو زندگی کے لئے کم نہ جانئے
لمحہ گزر گیا تو سمجھئے صدی گئی
ایک پل کو رکنے سے دور ہو گئی منزل
صرف ہم نہیں چلتے راستے بھی چلتے ہیں

طلباء کو چاہیے کہ رات دن کے اوقات کا نظام بنائیں لیکن بہت افسوس ہوتا ہے کہ طلباء کا اکثر وقت ضائع ہوتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو عام طور پر مدارس میں تعلیمی وقت چھ سات گھنٹے ہوتے ہیں اور بعد المغرب اور بعد العشاء ایک ایک گھنٹہ تکرار وغیرہ کے لئے اس طرح یہ آٹھ نو گھنٹے ہوئے اور سونے میں چھ گھنٹے اور نمازوں کے لئے دو گھنٹے ایک گھنٹہ شام کو تفریح کے لئے اس اعتبار سے اٹھارہ گھنٹے ہوئے تو باقی چھ سات گھنٹے فضول بات اور لغو باتوں میں گزر جاتے ہیں لہٰذا ان اوقات کو تحصیل علم میں ہی لگانا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حصّہ دوم

علم سے پیار کیجئے

شوقِ علم

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

کسی کو مال وسیم و زر ہمیں علم و ہنر بخشا
اسی پر مرمٹیں گے ہم گھلادیں گے بدن اپنا

سیاحت کا جسے ہو شوق پھرتا ہے وہ شہروں میں
کتب بینی ہے سیر اپنی، کتابیں ہیں چمن اپنا

ہمارا شغل ہے شب و روز تعلیم و تعلم کا
نہیں بنتے ہیں فتنہ راہ میں فرزند و زن اپنا

نہیں مقصد ہمارا کسبِ دولت علمِ ملت سے
لگانا ہے رفاہِ عام میں یہ علم و فن اپنا

عمل مقصودِ اول ہے یہی مطلوبِ فطرت ہے
اگرچہ خام رہ جائے ذرا تابِ سخن اپنا

ہم اپنی دھن کے پکے ہیں اور اپنے عشق میں کامل
بنا سکتا نہیں کچھ بھی دار و رسن اپنا

جو راہِ عشق میں کام آئیں تو گور و کفن مت دو
یونہی کھایا کریں گے لحم و خون زاغ و زغن اپنا

ہمارا علم سے ہے عشق وہ لیلیٰ ہے ہم مجنوں
اسی پر ہیں فدا مغز و دل چشم و دہن اپنا

ہمارا فرض ہے تعلیم بھی ورزش، ریاضت بھی
کریں پھر ہند پر حملہ تو ہو دہلی، دکن اپنا

تمنائے خلیق اتنی ہے تجھ سے ربِّ سجانی
کہ ہر شاگرد بن جائے اتالیقِ زمن اپنا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش و کرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

علم نے آدم کو مسجودِ ملائک کر دیا
علم نے لقمان کو حکمت کا سیم و زر دیا
علم نے سود و زیاں کی پرکھ کا مسطر دیا
جس نے رشتہ اس سے جوڑا رتبہ برتر دیا

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش و کرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

کس نے نعماں کو تھمائی اہلِ سنت کی زِمام
کس نے مالک کو بنایا دارِ ہجرت کا امام
شافعی اور ابنِ حنبل کو دیا اعلیٰ مقام
کس نے رازی اور غزالی کو بنایا نیک نام

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش و کرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

علم نے بزمِ جہاں میں کیا سے کیا رنگ بھر دیئے
علم نے قطرے اٹھائے اور دریا کر دیئے
علم نے دنیا کو کتنے قائد و رہبر دیئے
علم نے قاسم، رشید و اشرف و انور دیئے

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش و کرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

علم سنگِ میلِ منزل، علم جوشِ کارواں
علم ہر اک کی ضرورت، مرد و زن پیر و جواں
علم سر وحدتِ حق علم بحرِ بیکراں
علم میراثِ نبوت علم آبِ تشنگاں

علم سای رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش وکرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

مال کا ہے تو محافظ، علم تیرا پاسباں
مال تیرا زندگی تک، علم زادِ دو جہاں
مال میں ہے چھینا جھپٹی علم میں اس سے اماں
علم خرچ ہو تو بڑھے اور مال خرچ ہو تو زیاں

علم سای رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش وکرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

علم کی خاطر مشقت میں سنبھلنا چاہئے
شمعِ محفل کی طرح ہر دم پگھلنا چاہئے
سستی وغفلت کو چستی سے بدلنا چاہئے
ہر قدم منزل ہے یارو! دل مچلنا چاہئے

علم ساری رفعتوں کا نقطۂ آغاز ہے
عرش وکرسی سے بھی آگے علم کی پرواز ہے

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کے شعر ہیں:۔

حسبی بعلمی ان نفع　　　ما الذل الا فی الطمع
(میرا علم مفید ہو تو کافی ہے۔ ذلت، لالچ ہی میں ہے)

من راقب اللہ رجع　　　عن سوء ما کان منع
(جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے، عملِ بد سے تائب ہو جاتا ہے)

ما طار شئی فارتفع　　　الا کما طار وقع
(جو اڑ کر اونچا ہو جاتا ہے اسے گرنا ہی ہوتا ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علمی شوق ومحنت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور کا تو وصال ہوگیا ابھی تک صحابہ کرام کی بڑی جماعت موجود ہے آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں، ان انصاری نے کہا کیا ان صحابہ کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے، غرض ان صاحب نے تو ہمت نہ کی میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا، مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا، گو ہوا سے منہ اور بدن پر مٹی پڑتی رہتی مگر میں وہیں بیٹھا رہتا، جب وہ اٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا ہوتا معلوم کرتا، وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور ﷺ کے چچازاد ہوکر کیوں تکلیف کی مجھے بلا لیتے، مگر میں کہتا کہ طالب علم میں ہوں اس لئے حاضر ہونے کا میں زیادہ مستحق تھا، بعض حضرات پوچھتے تم کب سے بیٹھے ہو میں کہتا کہ بہت دیر سے وہ کہتے تم نے برا کیا مجھے اطلاع کر دیتے میں کہتا میرا دل نہ چاہا کہ آپ میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آئیں، حتی کہ ایک وقت میں یہ نوبت آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب ان انصاری صاحب کو بھی قلق ہونے لگا وہ کہنے لگے یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فائدے کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

یہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے وقت میں حبر الامۃ اور بحر العلوم کا لقب دلوایا، جب ان کا وصال ہوا تو طائف میں تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربانی آج رخصت ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انکو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے یہ سب اسی جانفشانی کا ثمرہ تھا ورنہ اگر یہ صاحبزادگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے، اس قصہ

میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ علم کا شغف واہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا فوراً جاتے اسکو حاصل فرماتے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اٹھانا پڑتی، اور حق یہ ہے کہ محنت اور مشقت کے بغیر علم تو درکنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی۔ (حکایات صحابہ صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں لاکھوں مربع میل تک اسلامی حکومت نے وسعت اختیار کر لی تھی۔ کل جزیرۃ العرب پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مختصر عہد میں عراق اور شام کے وسیع رقبہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو گیا۔ عہد فاروقی میں ایران اور مصر بھی اسلامی علم کے تحت آ گئے۔ دور عثمانی میں مشرق ایران کے دور دراز علاقے میں افریقہ کا وسیع رقبہ فتح ہو گیا۔ بنوامیہ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ مشرق میں چینی ترکستان اور کاشغر تک اور مغرب میں اسپین اور فرانس کے بعض علاقوں تک اسلامی اقتدار وسیع ہو گیا۔

دنیا کے اس عظیم ترین اقتدار کے تحت ایک عظیم ترین تمدن برپا تھا۔ اس کی ہمہ گیر ضرورتیں اور نت نئے مسائل تھے۔ دیوانی اور فوجداری کے بے شمار مقدمات تھے معاشرت، معیشت اور سیاست، غرض زندگی کے ہر پہلو میں مرتب اور مدون قوانین کی سخت ضرورت تھی۔ اس وسیع سلطنت کے لئے تعزیرات کا دفتر درکار تھا۔

مجتہد اعظم کی ضرورت

اس سخت ضرورت کے تحت ایک عظیم اسلامی مقنن اور فقیہ درکار تھا۔ بلکہ مجتہد اعظم کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مردان کار پیدا فرماتا ہے اس نے دنیا کی ملت اسلامیہ اور اس وسیع سلطنت کی اس عظیم تر ضرورت کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔

خوب رو، خوش منظر، شیریں کلام، درمیانہ قد نہ زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ چھوٹے، دیکھنے والا رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا رہ جاتا۔ لباس بہت عمدہ اور صاف ستھرا پہنتے،

سراپا بارعب، عمدہ عطریات کا استعمال بڑی کثرت اور اہتمام سے کرتے، جن راہوں سے گزرتے لوگ انہیں دیکھے بغیر خوشبو ہی سے پہچان جاتے کہ اس راہ سے حضرت کا گزر ہوا ہے۔

فیضان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ﴿ وآخرین منهم لما یلحقوا بهم ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں؟ (یعنی جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو نہ پایا اور نہ براہ راست آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کی، مگر انہیں بھی وہی فیضان نبوی نصیب ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

''لو کان الایمان'' (بعض روایات میں الایمان کی جگہ العلم ہے)

''عند الثریا لناله رجال من هولاء. ''ایمان (یا علم) اگر ثریا (سات آسمانی ستاروں کا جھرمٹ) کے پاس بھی ہو تو اس قوم کے لوگ اسے ضرورت تلاش کرلیں گے۔''

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کے اولین مصداق سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ ان کے بلند پایہ علمی مقام کو اہل فارس میں سے کوئی اور شخص نہیں پاسکا۔

حافظ ابن حجر ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ شافعی فرماتے ہیں: ''فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی الله علیه وسلم حیث اخبر بما سیقع ''اس حدیث پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مستقبل کے واقعہ کی اطلاع دے دی۔

لعابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ جبرئیل امین بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو حضرت لقمان کی حکمت کے بارے میں خبر دی کہ وہ چاہتے تو غلہ کے ڈھیر میں سے ہر دانہ کے عوض حکمت بیان کرسکتے تھے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں رشک پیدا ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی

امت میں لقمان جیسے صاحب حکمت گزرے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد جبرئیل پھر حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ امت داؤد میں لقمان ہیں، جو ہر دانہ پر دانائی اور حکمت کی بات بیان کر سکتے ہیں تو آپ ﷺ کی امت میں ''نعمان'' ہوں گے، جو خرمن کے غلہ کے ہر دانہ کے بدلہ میں مسائل اور ان کا حل بیان کریں گے۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنی تو اپنا لعاب دہن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں ڈالا اور انہیں حکم دیا کہ اس امانت کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچانا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔

زہے مقدر

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر بیحد نظر شفقت تھی، شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو مواجہہ عالیہ پر کھڑے ہو کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کی:" الصلوٰۃ والسلام علیکم یا سید المرسلین "روضہ مبارک سے جواب آیا:

'' وعلیکم السلام یا امام المسلمین ۔'' آقا کے ارشاد گرامی کی برکت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت امام اعظم کے ''پیروکار'' احناف پر مشتمل ہے۔

حضرت امام الائمہ سراج الامۃ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ تمام فقہاء اور مجتہدین کے رئیس، ماہرین حدیث کے امام اور استاذ، وارفتگان شرق کے قبلہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا، الغرض نبوت وصحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہو سکتے ہیں ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لئے ہادی اور مقتدیٰ تھے۔

نام ونسب

نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ، امام اعظم لقب، شجرۂ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی، عام طور پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجمی النسل ہونا مسلم ہے، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

اور مؤرخ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا۔ ہم لوگ فارسی نسل کے ہیں۔ ہمارے دادا امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے انکے اور انکے خاندان کے لئے دعا کی تھی، ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہ ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ اص ۱۰۷) سن پیدائش کو ۷۱ھ بھی بتایا گیا ہے۔ (مقدمہ اوجز المسالک ص ۵۶)

نعمان لغت میں خون کو کہتے ہیں، جس طرح خون سے بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس پر جسم کی پوری مشینری کا انحصار ہوتا ہے، یونہی امام ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی بھی دستور اسلام کے لئے محور اور عبادات و معاملات کے جملہ احکام کے لئے بمنزلہ روح ہے۔ نعمان کا ایک معنیٰ خوشبودار گھاس بھی ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد و استنباط سے اطراف و اکناف عالم فقہ اسلامی کی خوشبو سے مہک اٹھے۔

ابوحنیفہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس کنیت کا سبب شاید یہ ہے کہ لغت عراق میں دوات کو حنیفہ کہا جاتا ہے، چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ حدیث، فقہ اور دینی مسائل کی کتابت کے لئے بکثرت دوات استعمال کرتے تھے اس لئے ابوحنیفہ مشہور ہو گئے۔ اس کنیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے، صاحب ملت حنیفہ، یعنی ادیان باطلہ سے اعراض کر کے دین حق اختیار کرنے والا۔

تابعی

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری رحمۃ اللہ علیہ شافعی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے روایات کے بارے میں ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین میں سے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن جزء زبیدی، جابر بن عبداللہ، معقل بن یسار، واثلہ بن رضی اللہ عنھم اجمعین بن اسقع، عائشہ بنت عجردی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ،

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش بیس صحابہ کرام کے اسماء گرامی گنوائے ہیں۔

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بحالت ایمان آپ کی صحبت میں حاضر ہونے والا خوش بخت صحابی ہے، یونہی صحابی کی زیارت سے بہرہ یاب ہونے والا ایمان دار تابعی کہلاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہایت مستند اور قوی ہے کیوں کہ محققین اصول حدیث نے تصریح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین رحمۃ اللہ علیھم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب تابعی ٹھہرے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ دینی احکام بھی مستند اور قابل حجت ٹھہرے۔

سکونت

کوفہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولد ومسکن ہے۔ جو اسلام کی وسعت وتمدن کا دیباچہ تھا، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علوم نبوت کے تین مراکز تھے، مکہ، مدینہ اور کوفہ، مکہ معظمہ کے صدر معلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کے اور کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ (اعلام الموقعین) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو دار الخلافہ بنایا، شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کان اغلب قضایاہ بالکوفۃ۔“ (حجۃ اللہ البالغۃ جلد ا ص ۱۳۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیشتر فیصلے کوفہ سے صادر ہوئے تھے، کوفہ آپ رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے پہلے عہد فاروقی میں قرآن وسنت کا دار العلوم بن چکا تھا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ولما ذھب (علی رضی اللہ عنہ) الی الکوفۃ کان اھل الکوفۃ قبل ان یاتیھم قد اخذوا الدین عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ وحذیفۃ رضی اللہ عنہ وعمار رضی اللہ عنہ وابی موسی رضی اللہ عنہ وغیرھم ممن ارسلہ عمر رضی اللہ عنہ الی الکوفۃ۔“ (منہاج السنہ جلد ۴ ص ۱۵۷)

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو اہل کوفہ آپ رضی اللہ عنہ کے وہاں آنے سے پیشتر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہم سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تھا، دین حاصل کر چکے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ایک ہزار پچاس حضرات جن میں چوبیس وہ بزرگ ہیں جو غزوۂ بدر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے، وہاں گئے اور سکونت اختیار کی۔ (فتح المغیث ص۳۸۲) اور امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) نے اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آکر اترے۔ (فتح القدیر جلد۱ ص۴۲) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ کو دارالفضل والفضلاء کا لقب دیا ہے۔

(شرح مسلم باب القراء الظہر والعصر)

تحصیل علم

امام صاحب رحمۃ اللہ عنہ تجارت کرتے تھے اور اس میں کامیاب بھی تھے۔ علم اور تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ مگر ذہانت اور فطانت فطری طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ میں موجود تھی۔ بلکہ یوں کہئے کہ عقل وذہن اور دماغی قوت آپؒ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ بازار جارہے تھے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے سامنے سے گزرے۔ انہوں نے نوجوان کی پیشانی اور چہرے کی ذہانت بھانپ لی۔ پاس بلایا اور دریافت کیا صاحبزادے! علم کس سے حاصل کرتے ہو، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بولے، کسی سے بھی نہیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ارے! تمہارے اندر تو مجھے بڑی ذہانت اور قابلیت کا جوہر نظر آرہا ہے۔ تم کو علم کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس فہمائش اور نصیحت نے گھر کرلیا اور تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ بڑے ذوق وشوق، انہاک اور محنت سے علم حاصل کیا، ادب، انساب، تاریخ، فقہ، حدیث اور کلام تمام علوم وفنون میں

مہارت پیدا کی۔ ساتھ ہی تجارت کا سلسلہ بھی جاری رکھا، علمی مباحثہ اور مناظرہ سے آپ کو شغف تھا۔ بحث و مباحثہ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کو آپ سے ایک عظیم خدمت لینا تھی۔

فقہ میں انہماک

ایک معمولی سے واقعہ نے آپ کو عقائد و کلام کی بحثوں، مناظروں اور جھگڑوں کے بجائے اس طرف متوجہ کر دیا واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک عورت آئی، اس نے مسئلہ پوچھا، لیکن آپ رحمۃ اللہ عنہ نہ بتا سکے اور اسے امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا میں ایک عورت کی ضرورت بھی رفع نہ کر سکا۔ ایسے علم سے کیا فائدہ؟ لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے۔ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے مشہور امام اور استاد تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ اور بڑے بڑے تابعین سے فیض حاصل کیا تھا۔ کوفہ میں ان کی درسگاہ مشہور تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کا دارومدار انہی پر تھا۔ ان کا حلقہ درس بڑا وسیع تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خود ایک علمی مقام رکھتے تھے لیکن امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں پہلے روز بالکل آخر میں سب سے پیچھے آپ کو جگہ ملی۔ چند روز کے بعد ہی امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کو تجربہ ہو گیا کہ ذہانت اور حافظہ میں کوئی بھی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دے دیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ درس حدیث کے حلقوں میں بھی شریک ہوتے تھے لیکن دس سال تک متواتر امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے رہے۔ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کو بصرہ منتقل ہونا پڑا تو استاد کی زندگی ہی میں استاد کی جانشینی کا مرتبہ حاصل کیا۔

علوم میں مہارت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(فاتح ایران) کے ذریعہ کوفہ آباد کرایا تھا۔ کوفہ نے علم وادب، تہذیب وکوفہ کررح تمدن، قرآن وسنت اور فقہ ہر پہلو سے مرکزیت حاصل کر لی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ رمح اللہ، کنز الایمان، حجۃ العرب یعنی اللہ کا تیر، ایمان کا خزانہ، عرب کی چوٹی یا عرب کا دماغ کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تھا۔ ایک ہزار سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے کوفہ آئے اور بہت سے یہیں کے ہو رہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تبییض الصحیفہ" اور کروری نے مناقب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے شیوخ واساتذہ کے نام گنوائے ہیں، اور مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی التعلیق المسجد میں بہت سے شیوخ کا تعارف کرایا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کی یہ خصوصیت ہے جیسا کہ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، اس کو خیار تابعین سے حاصل کیا ہے، جس کی سند کا کوئی بھی راوی متھم بالکذب نہیں ہے، اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے دلائل میں کوئی ضعف بیان کیا گیا ہے تو وہ مابعد کے رُواۃ کے لحاظ سے ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ فقہ وحدیث دونوں کے جامع تھے۔

(مسند امام از خوارزمی)

ذکاوت وذہانت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ذہانت وفطانت سے نواز رکھا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بے حد زیرک اور صاحب بصیرت تھے، جس پر فقہ حنفی کے اصول وفروع بہترین شاہد ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ آپ رحمۃ اللہ علیہ چٹکیوں میں حل کر دیتے اور بڑے بڑے علماء فقہاء آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی اور اجتہاد وبصیرت پر دنگ رہ جاتے۔ اس سلسلہ میں بہت سے واقعات آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں میں محفوظ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی دلچسپ اور معلومات افزا ہے مگر ان مختصر مضمون میں ان تفصیلات کی کہاں گنجائش؟

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت طبعی مشہور ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: ''کا ن من اذ کیا ء بنی آدم ''یعنی اولاد آدم میں جوذ کی گزرے ہیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان میں شمار کئے جاتے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت وفراست عقل کوسب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہتے تھے کہ ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک حرکت حتیٰ کہ بات چیت میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔'' علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول تھا کہ ''اگر دنیا کی عقل ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رکھی جائے تو امام صاحب کا پلڑا بھاری ہوگا۔''

دن رات کی مصروفیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آپ کی مسجد میں حاضر ہوا اور آپ کو صبح کی نماز کے بعد دیکھا آپ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے سامنے ظہر کی نماز تک علم کی مجلس کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عصر تک مجلس اختیار فرمائی، پھر جب عصر پڑھ چکے تو مغرب تک مجلس اختیار فرمائی، پھر جب مغرب پڑھ چکے تو عشاء تک مجلس اختیار فرمائی، میں نے اپنے دل میں کہا یہ شخص تو اسی کام میں مصروف ہے عبادت کیلئے کب فارغ ہوگا؟ میں آج رات اس کی تفتیش میں رہوں گا چنانچہ میں ان کے درپے رہا جب لوگ سو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی طرف جا نکلے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔'' حضرت مسعر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں آپ کا یہ عمل تین دن تین راتوں تک دیکھتا رہا۔ حضرت مسعر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہی رہوں گا، یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا مجھے۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ (حدائق جلد ۱ ص ۱۹۷)

نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''فقہ سے لوگ غافل تھے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیدار کیا، اس کو مرتب وملخص کیا'' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا'' جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے واپس آیا تھا کہ روئے زمین کے

سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے واپس آرہے ہو" خارجہ بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ "علم و عقل میں امام ابوحنیفہ کی نظیر نہیں" (علم سے مراد اس زمانے میں علم حدیث بھی ہوتا تھا)

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے عالم تھے، اور اس کے بعد امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے عالم ہوئے اور اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یعنی یہ تینوں اپنے اپنے دور میں بے مثال تھے" اور فرمایا کرتے تھے کہ "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر میری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔" (موفق جلد ۲ ص ۵۱)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے۔"

ایک لاجواب مناظرہ

مخالفین اسلام میں سے ایک شخص، اپنی قوم کا عالم و فاضل، بڑا گویا اور بولنے والا اپنی ایک جماعت مذہبی کو لے کر بغداد پہنچا اور وہاں کی علمی جماعت اسلام کو ایک اعلان کے ذریعہ اطلاع دی کہ اگر تم لوگ ہمارے چار سوالوں کے جواب دو گے تو ہم یقیناً مسلمان ہو جائیں گے اور اگر تم جواب نہ دے سکے تو تم کو ہمارا مذہب قبول کرنا ہوگا۔

چنانچہ ایک روز اس نے عظیم الشان مجمع کر کے اس کے درمیان ایک منبر بچھایا جب تمام شہری آکر جمع ہو گیا تو اس نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا کہ تم میں سے کوئی جواب دینے کے لئے تیار ہو تو میں وہ چاروں سوال پیش کروں؟ جس کے جواب میں عظیم مجمع پر سکونت طاری تھی، لیکن ایک گوشے سے کسی نے جواب دیا کہ میں تیرے سوالات کا پورا جواب دوں گا مگر اس شرط پر کہ تو منبر سے نیچے اتر آئے اور میں منبر پر بیٹھ کر جواب دوں اس لئے کہ تو سائل ہے اور میں مجیب ہوں۔ یہ سن کر وہ عالم فوراً منبر سے نیچے اتر آیا لوگوں نے دیکھا کہ نعمان ایک نوجوان ابھی طالب علمی ہی کرتا ہے اس مجمع عظیم میں سے اٹھ کر آیا اور اس منبر پر بیٹھ گیا اور اس زبردست عالم کو مخاطب کر کے کہا، اب آپ اپنے سوالات بیان کریں، ہم جواب دیں گے چنانچہ اس نے سوالات شروع کئے۔

پہلا سوال: اس وقت خدا کیا کرتا ہے؟

جواب: اس وقت خدا یہ کرتا ہے کہ تجھ جیسے عالم و فاضل کو اس نے منبر سے اتار دیا اور مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کو منبر پر بٹھا دیا'' وتعز من تشاء وتذل من تشاء '' یعنی وہ جسے چاہے عزت اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ یہ شافی جواب سن کر وہ بالکل دم بخود ہو گیا، تو حضرت نعمان نے فرمایا دوسرا سوال پیش کرو۔

دوسرا سوال: اس نے دریافت کیا کہ خدا کا منہ کس طرف ہے؟

جواب: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شمع کا منہ بتا دیں کہ وہ کس طرف ہے تو یہی جناب کے سوال کا جواب ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ قیامت تک شمع روشن کا منہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کس طرف ہے لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لیں کہ روئے ایزدی کی یہی مثال ہے کہ وہ چاروں طرف اپنے نور سے عالم کو منور کرتا رہتا ہے۔ یہ کافی جواب سن کر وہ بہت ہی نادم ہوا پھر حضرت نعمان نے فرمایا کہ تیسرا سوال پیش کیجئے۔

تیسرا سوال: اس نے دریافت کیا کہ بتاؤ خدا کہاں ہے؟

جواب: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ بتا سکتے ہیں کہ روح کہاں ہے، حالانکہ خود تمہارے جسم میں موجود ہے۔ اے شخص! وہ روح جو اس کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور ہر ذی روح میں موجود ہے جب جناب اس کو نہیں بتا سکتے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے کہ وہ خالق روح کو بتا سکے۔ یہ سن کر بھی وہ متحیر ہوا پھر حضرت نعمان نے فرمایا کہ اچھا اب چوتھا سوال پیش کریں۔

چوتھا سوال: اس نے کہا کہ خدا سے پہلے کیا تھا؟

جواب: آپ نے فرمایا کہ بھائی گنتی بھی تو تم کو معلوم ہے؟ کہا کہ ہاں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا گنو تو سہی۔ وہ ایک سے دس تک گنتی گن کر خاموش ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پھر گنو وہ پھر ایک دو تین کہنے لگا آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں، یہ میں نہیں سننا چاہتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک سے پہلے کی گنتی مجھے سنائیں، اس نے کہا کہ حضرت ایک سے پہلے تو گنتی ہی نہیں ہے، سناؤں کیا؟ جب وہ ایک سے پہلے کی گنتی سے عاجز ہوا تو آپ نے فرمایا کہ افسوس جناب کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ مجازی گنتی میں جب ایک سے پہلے کچھ نہیں تو اس ایک حقیقی خدائے واحد سے پہلے کیا ہو سکتا ہے

سنتے ہی سن ہو گیا وہ یہ جواب
بند کی اس نے وہیں اپنی کتاب
زار زار اس کے ہوئے آنسو رواں
روتے روتے بندھ گئیں بس ہچکیاں
وہ اور اس کے تیرہ ہمراہی تمام
صدق دل سے لائے یہ لب پہ کلام

لا اله الا الله محمد رسول الله

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کی یہ ایک ادنیٰ مثال تھی اور لوگوں کو نار جحیم سے بچانے کا ایک ذرا سا نمونہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

اسلام تمام قوموں، تمام طبقوں اور ساری روئے زمین کے لئے ہے۔ وہ کسی خا ص قوم یا نسل کے لئے نہیں ہے نہ کسی زمانے کے لئے مخصوص ہے۔ ایسے ہمہ گیر دین کے لئے تجدید کرنے والوں، ملت کی اصلاح کرنے والوں اور اجتہاد سے کام لے کر مسائل اور تفصیلی قانون مرتب کرنے والوں کے ایک سلسلہ کی ضرورت تھی۔

ضرورت مجتہدین

اصلاح وتجدید اور اجتہاد کی یہ ضرورت، کسی ایک مکتب فکر کے وجود میں آجانے اور اس کی بہترین کوششوں سے بھی پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ رہتی دنیا تک رہنے والے دین، ترقی پذیر سلطنت اور روئے زمین پر پھیلی ہوئی ملت کے لئے چند در چند مکاتب فکر کے وجود میں آنے کی ضرورت تھی اور ان کا وجود میں آنا فطری بھی تھا۔ چنانچہ یہ ضرورت اس طرح پوری ہوئی کہ اللہ تعالٰی نے حنفی مکتب فکر کے علاوہ مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ مکتب فکر کو وجود بخشا۔ ان فقہی مکاتب فکر میں مالکی مکتب فکر کو ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے۔

سب سے پہلے فقیہہ ومحدث

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے۔ ایک طرف مغرب اور مشرق میں ان کے مقلدین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے تو دوسری طرف امہات کتب حدیث میں سے اکثر ایسی ہیں جن کی کچھ نہ کچھ احادیث کا سلسلۂ سند امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔
فن حدیث میں سب سے پہلے انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد تصنیفات کتب کا سلسلہ شروع کیا۔

عشق رسول ﷺ سے معمور

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت عشق رسالت سے معمور تھی۔ مدینہ منورہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیار تھا۔ اس مقدس شہر کی سرزمین میں وہ کبھی کسی سواری پر نہیں بیٹھے۔

اس خیال سے کہ ممکن ہے کبھی اس جگہ حضور ﷺ پیادہ چلے ہوں۔ پھر جس جگہ آقا پیدل چلے ہوں اس جگہ غلام سوار ہو کر چلے یہ نہ انداز محبت ہے نہ طور غلامی۔

درس حدیث کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ غسل کر کے عمدہ اور صاف لباس زیب تن کرتے پھر خوشبو لگا کر مسند درس پر بیٹھ جاتے اور اسی طرح بیٹھے رہتے۔ کبھی دوران درس پہلو نہیں بدلتے تھے۔ ایک دفعہ دوران درس، بچھو انہیں پیہم ڈنگ مارتا رہا مگر اس عشق ومحبت کے جسم میں کوئی اضطراب نہیں آیا اور وہ اسی انہاک اور استغراق کے ساتھ اپنے محبوب کی دلکش روایات اور دلنشین احادیث بیان کرتے رہے۔

نام ونسب وولادت

نام مالک، کنیت ابوعبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ، باپ کا نام انس تھا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث بن غیمان بن جثیل بن عمرو بن الحارث ذی اصبح۔

(تذکرہ جلد اص ۱۸۶ وغیاث الاعیان جلد ۳ ص ۲۲۴، البدایہ والنھایہ جلد ۱۰ ص ۱۷۷)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خالص عرب خاندان سے تھے جو جاہلیت واسلام دونوں میں معزز تھا۔ بزرگوں کا وطن یمن تھا۔ سب سے پہلے ان کے پردادا ابو عامر نے مدینۃ النبی ﷺ میں آکر سکونت اختیار کی۔ چونکہ یمن کے خاندان شاہی یعنی حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے اس لئے ''ذا اصبح'' کے لقب سے وہ مشہور ہیں۔

(مدارک ومقدمہ تنویر الحوالک)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا ابو عامر نے ۲ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کے دادا مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ جن جواں مردوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سر کو ہتھیلی پر رکھ کر ان کی نعش مبارک کو دشمنوں کے نرغے سے اٹھا کر دفن کرنے کی خطرناک حالات میں خدمت انجام دی تھی ان میں سے ایک آپ کے دادا مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا ابو عامر مشرف باسلام ہوئے۔ قاضی ابو بکر بن علاء قشیری نے ان کو جلیل القدر صحابی بتایا

ہے۔مگر محدثین کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں محدث، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لم ار احداً ذکرہ فی الصحابۃ" حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی ہے۔(الاصابہ فی تفسیر الصحابۃ جلد۲ص۷۷۹) اس سے ثابت ہوا کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف لقاء حاصل نہیں البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مالک جلیل القدر تابعی اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، امام مالک بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کے تین بیٹے تھے۔انس[۱] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے والد، بزرگوار، ربیع[۲] وابو سہیل[۳] نافع، نافع ایک بلند پایہ محدث تھے، صحیح ومعتبر روایت کی بناپر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۹۳ھ ہے۔

(ماخوذ از مقدمہ شرح موطا اززرقانی)

حصول علم کا عجیب شوق

عید کا دن تھا۔!

ہر طرف چہل پہل تھی۔لوگ عمدہ لباس پہنے عید کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کی طرف رواں تھے، تاکہ گھر والوں کو عید کی مبارکباد دے سکیں، لیکن ایک نوجوان ایسا بھی تھا جس کے قدم اپنے گھر کی بجائے کسی اور سمت میں اٹھ رہے تھے۔یہ بات نہیں تھی کہ وہ نوجوان اپنے گھر والوں سے خفا تھا، یا اسے کسی دوست یا رشتہ دار سے ملنا تھا، یا وہ کسی تفریح میں حصہ لینے کے لیے جارہا تھا بلکہ وہ نوجوان ایک بہت بڑے عالم کے مکان پر جا کر رک گیا۔

نوجوان نے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوگیا۔بہت بڑے عالم نے نوجوان سے پوچھا۔

"تم عید کی نماز پڑھ کر گھر نہیں گئے؟"

"نہیں!"

"کچھ کھالو۔!"

"جی نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر کیا ارادہ ہے۔؟"

''حدیث بیان فرمائیے!''

بزرگ نے اس نوجوان کو کتاب لانے کا حکم دیا۔ نوجوان کتاب نکال کر لایا۔ بزرگ نے چالیس حدیثیں بیان کیں، نوجوان نے کہا۔

''اور فرمائیے۔!''

''یہی کافی ہیں۔'' بزرگ نے فرمایا ''اگر تم نے یہی حدیثیں یاد کر لیں تو تمہارا شمار حفاظ میں ہوگا۔''

''میں نے یاد کر لیں!!'' نوجوان نے انکشاف کیا۔

بزرگ نے نوجوان سے کتاب لے لی اور فرمایا۔

''بیان کرو۔''

اس نوجوان نے وہ تمام چالیس حدیثیں لفظ بہ لفظ بیان کر دیں، جو ابھی چند لمحوں قبل بزرگ نے اُن کے سامنے بیان کی تھیں۔

بزرگ کے لبوں کو جنبش ہوئی، انہوں نے فرمایا:

''جاؤ! تم علم و حدیث کے زبردست فقیہ ہو۔'' یہ نوجوان تھے مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس، جو آگے چل کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہلائے اور بزرگ تھے امام ابن الشہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ، جس سے علم کے حصول کے لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ نماز عید کے بعد گھر چلے جائیں، خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کے مطابق: ''میں نے سوچا کہ آج ایسا دن ہے کہ امام ابن الشہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ فارغ ہوں گے اس لئے ان کے پاس چلا گیا۔''

علم دین حاصل کرنے کے لئے یہ شوق، جستجو، تڑپ اور لگن تھی جس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمانوں کے فقہ کے چار بڑے اماموں میں سے ایک کے بلند مرتبہ پر فائز کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ایک روشن مینار کی مانند ہے، جس سے آنے والی نسلیں نور کی کرنیں لے کر اپنی سیرتوں کو منور کر سکتی ہیں۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے گھر میں آنکھیں کھولیں جو علم حدیث کی روشنی سے منور تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت مالک بن ابی عامر بڑے تابعی اور علماء میں

سے تھے۔ والد حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ محدث تھے، بھائی تو پہلے ہی علم حدیث میں مشغول تھے۔

ننھے مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس کو بچپن میں پرندے پالنے میں بہت دلچسپی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ العالیہ بنت شریک نے اپنے لخت جگر کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ایک مکتب میں حضرت علقمہ بن ابی علقمہ سے عربیت، نحو اور عروض کی تعلیم حاصل کی اور قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد تجوید میں مہارت حاصل کی۔ اس زمانے میں مسجد نبوی کی درسگاہوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

علم قرأت کا حصول

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت میں اہل مدینہ کے امام حضرت نافع بن نعیم رحمۃ اللہ علیہ سے قرأت سیکھی۔ پھر اس کمسن لڑکے کے دل میں علم حدیث سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، گھر والوں سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ والدہ محترمہ معصوم بچے کی زبان سے یہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھیں، فوراً عمدہ لباس پہنایا سر پر عمامہ باندھا اور کہا ”جاؤ اور ابھی لکھو۔“ والدہ کے شوق دلانے پر مستقبل کا یہ فقیہہ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ رائی کی درس گاہ کا طالب علم بن گیا۔

علم حدیث سے محبت

اس نو وارد طالب علم کا حال یہ تھا کہ جو پڑھتا تھا اسے یاد کر لیتا تھا۔ روزانہ سبق پڑھنے اور لکھنے کے بعد یہ لڑکا بجائے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کے درختوں کے سائے میں جا بیٹھتا۔ ایک دن بہن نے دیکھ لیا، والد سے جا کر کہا کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ درختوں کے سائے میں بیٹھے ہیں، والد نے فرمایا ”بیٹی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرتے ہیں۔“

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ رائی کے ساتھ ساتھ، مالک رحمۃ اللہ علیہ دیگر اساتذہ سے بھی علم حاصل کر رہے تھے۔ امام مالک خود کہتے ہیں میرے والد نے ایک دفعہ مجھ سے اور میرے بھائی نضر سے ایک مسئلہ پوچھا، میرے بھائی نے صحیح جواب دیا میں نے

غلطی کی، والد نے کہا علم حاصل کرنے میں تم ہجوم کی وجہ سے پیچھے رہ گئے (یعنی بیک وقت کئی اساتذہ سے علم حاصل کرتا رہا اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کرام سے نہ ملا۔ شروع میں یہ حال تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ نضر کے بھائی کے نام سے پہچانتے تھے بعد میں یہ نوبت آئی کہ نضر کا ذکر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کے نام سے کیا جانے لگا۔

علم حدیث کے شیدائی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اب حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بن عمر کی مجلس کا رخ کیا، لیکن حضرت ابن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ سے حصول علم ترک نہ کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں ''میں حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت آتا تھا، سخت دھوپ سے کسی درخت کے نیچے پناہ نہیں ملتی تھی، میں ان کے نکلنے کا انتظار کرتا۔ وہ آتے اور مجلس میں داخل ہونے تک میں ان سے مسائل پوچھتا۔'' امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے بارہ سال تک علم حاصل کیا۔ واضح رہے کہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کا مکان مدینہ منورہ سے باہر بقیع میں واقع تھا۔

ایک دفعہ سننے سے چالیس احادیث کا یاد ہو جانا

ایک دن حضرت امام ابن الشہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت ربیعہؒ رائی بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابن الشہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سے زائد احادیث بیان کیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ دوسرے دن ہم امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے انہوں نے فرمایا ''کتاب میں دیکھو تاکہ میں حدیثیں بیان کروں کل میں نے جو کچھ بیان کیا تھا، کیا تم نے دیکھ لیا؟'' حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''یہاں ایک شخص موجود ہے جو تمام احادیث آپ کو سنا دے گا جو آپ نے کل بیان کی تھیں۔'' امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ حضرت ربیعہ نے بتایا ''ابن ابی عامر۔'' (امام مالک)

امام زہری۔ نے فرمایا سناؤ، میں نے انہیں چالیس احادیث سنا دیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے کہا ''میں سمجھتا تھا کہ یہ احادیث میرے سوا کسی دوسرے کو یاد نہیں ہیں۔'' اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن الشہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے

بھی علم حاصل کرنے لگے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہونہار شاگرد امام کا نام علم کا محافظ رکھ دیا تھا۔

تحصیل علم میں مشقتیں جھیلنا

ان سطور سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عمر بھر آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علم دین کے حصول کے لئے بے شمار سختیاں بھی جھیلی ہیں اور آپ پر وہ دور بھی آیا ہے جب آپ کی معاشی حالت اتنی خراب تھی کہ آپ کی بچی بھوک سے بے تاب ہو کر رویا کرتی تھی اور یہ خوددار شخص اپنی خادمہ سے کہتا تھا کہ چکی چلائے تاکہ پڑوسی بچی کے رونے کی آواز نہ سن سکیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ، تنگ دستی سے دوچار رہے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علم کا حصول ترک نہ کیا اور اس غرض سے اپنے گھر کی چھت کی لکڑیاں تک بیچ دیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں "اس علم میں کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک علم حاصل کرنے والا فقر میں مبتلا نہ ہو اور اس پر بھی وہ بہر حال علم حاصل کرنے کو ترجیح دے۔"

مجلس درس

مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی علمی درسگاہ کے جانشین نافع رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ کم از کم بارہ برس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے درس میں شریک ہوئے، ان کی وفات کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے جانشین ہوئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی، جب حدیث نبوی کے املاء کا وقت آتا پہلے وضو یا غسل کرکے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے۔

(تزیین الممالک نقلا عن ابی نعیم؟ ۲۰، ص ۱۶)

50 سال سے زائد مسجد نبوی ﷺ میں درس وتدریس

اللہ کے حبیب ﷺ کی مسجد میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال سے زائد عرصہ تک درس دیا۔ درس کی مجلس نہایت پر وقار ہوتی تھی، آپ کے شاگرد کہتے ہیں۔ ''امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے تو ایسا لگتا تھا گویا ہم ہی میں سے ہیں، کھل کر باتیں کرتے تھے لیکن جب درس دینے بیٹھتے تو ان کے کلام سے ہم پر ہیبت طاری ہو جاتی گویا وہ ہمیں پہچانتے ہی نہیں نہ ہم انہیں جانتے ہیں۔''

پُرشکوہ مجلس درس

مجلس کے وسط میں شہ نشین تھی جس پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف اس وقت تشریف رکھتے تھے جب حدیث کا املا کروانا ہوتا، مجلس میں شرکت کرنے والوں کے لئے جگہ جگہ پنکھے رکھے ہوتے تھے۔ حدیث کا درس ہوتا تو عود اور لوبان جلایا جاتا۔ صفائی اور نفاست کا یہ حال تھا کہ فرش پر ایک تنکا بھی نظر نہ آتا تھا۔

اہل علم کی قدرو منزلت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دور کے دیگر جید علماء کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کریں تو ایک بات خاص طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے ان بزرگوں نے گو فقہ کے مختلف مسالک پیش کئے۔ کئی امور میں ایک دوسرے سے سخت اختلاف کیا لیکن کبھی ایک دوسرے کے بارے میں ذرہ برابر تعصب کو دل میں جگہ نہ دی۔ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں ملا، دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں، سبب دریافت کیا تو جواب ملا۔

''ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پسینہ آ گیا وہ تو بڑے فقیہ ہیں۔''

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ''پھر میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، ان سے پوچھا۔ ''آپ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کیا بات پسند آئی۔''

جواب ملا۔ ''صحیح جواب، اس قدر جلد دینے والا میں نے اور کوئی نہیں دیکھا اور اس قدر پرکھنے والا پایا۔؟

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں علمی گفتگو شروع ہوئی تو فجر کی نماز تک جاری رہی، جب کسی مسئلہ میں ایک امام دوسرے کے قول پر مطمئن ہو جاتا تھا تو بلا تأمل اس کو اختیار کر لیتا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کے سرداروں میں سے ایک ہیں، وہ حدیث اور فقہ میں امام ہیں، کوئی ان کا مثل نہیں۔''

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جس عظیم فقیہہ اور مجتہد کو وجود بخشا گیا وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے دیگر تمام فقہاء اور مجتہدین میں ممتاز ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اصولِ فقہ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی ہجری کے عظیم امام اور مجتہد تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ علم اور عرفان کے عروج کا زمانہ تھا، ہر طرف علم وحکمت کے دھارے بہہ رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی پہنچائی ہوئی احادیث تابعین کے سینوں میں موجزن تھیں اور ان کے سینوں سے علوم وفنون کے سفینے منتقل ہو رہے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے یکتائے روزگار حضرات سے استفادہ کا فخر حاصل ہوا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے مطالعہ کا موقعہ ملا اور خیار تابعین سے روایت کا شرف حاصل ہوا۔

انہوں نے کتاب وسنت سے مسائل کے استخراج کے لئے اصول اور پیمانے وضع کئے اور فقہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی شہرت، شرق وغرب میں پھیل گئی اور ان کے ماننے والوں میں بڑے بڑے دانائے روزگار پیدا ہوئے، چنانچہ محدثین اور مفسرین کی بڑی اکثریت فقہ شافعی سے ہی تعلق رکھتی ہے اور آج انڈونیشیا، ملائیشیا، مصر اور دیارِ عرب کے اکثر علاقوں میں آپ کے مقلدین موجود ہیں۔

نام ونسب

نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ناصر السنۃ ،شافعی انکے جد اعلیٰ شافعی کی طرف نسبت ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید القریشی الہاشمی المطلبی ، ساتویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

آپ بمقام غزہ پیدا ہوئے۔(جائے پیدائش میں اختلاف ہے عسقلان کو بھی بتایا گیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ مقام غزہ عسقلان سے تین فرسخ پر واقع ہے، غزہ قریہ ہے اور عسقلان اس کا شہر اس لئے مجازاً عسقلان کو بھی بتایا گیا) ایک روایت یہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی ہے کہ میری پیدائش یمن کی ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے وہم راوی قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ میری نشوونما یمن میں ہوئی۔ (توالی التاسیس ص ۳۹)

رجب ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش اسی دن کی ہے جس دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، صحیح قول کے مطابق آپ کی والدہ قبیلہ ازد سے تھیں جو یمن کا ایک ممتاز ومشہور قبیلہ ہے۔

ابتدائی حالات زندگی

جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر دو سال کی ہوئی تو ان کی والدہ ان کو حجاز لے گئیں اور وہاں سے اپنے قبیلہ میں یمن منتقل ہوگئیں، یمن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کے دس سال گزارے، اب ان کی والدہ کو نسبی شرافت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا اس لئے وہاں سے انہیں لے کر مکہ معظمہ آگئیں۔ وہیں انہوں نے نشوونما پائی۔ (حسن المعاصر ہ ص ١٦٦)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ایک غریب گھرانے میں ہوئی، باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ذکاوت وذہانت سے نوازا تھا، سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے تھے، حفظ القرآن کے بعد حفظ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، جب عمر شریف دس سال کو پہنچی تو ''موطا مالک'' یاد کرلی تھی اور پندرہ سال کی عمر

میں اپنے شیخ مسلم بن خالد زنجی کی اجازت سے فتویٰ دینے لگے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قبیلہ ہذیل میں رہ کران کے اشعار میں اتنا کمال پیدا کرلیا تھا کہ اصمعی جیسا شاعر یگانہ روزگار جو ادب ولغت میں امامت کا درجہ رکھتا ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اشعار کی تصحیح کراتا تھا۔

طلب علم

قدرت نے آپ کو ذہانت، فہم وفراست اور حافظہ کی غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا۔ صرف سات سال کی عمر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک حفظ کر چکے تھے اور دس سال کے ہوئے تو ''مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ'' آپ کو یاد ہو چکی تھی۔ آپ بچپن ہی میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے۔ ابتدائی زندگی بڑی تنگی ترشی سے گزری، لیکن علم حاصل کرنے کی جستجو کبھی ماند نہ پڑی۔

بیٹے کی غیر معمولی ذہانت کو دیکھتے ہوئے والدہ نے انہیں چچا کے پاس مکہ مکرمہ بھیج دیا تاکہ علم الانساب حاصل کریں۔ اس زمانہ میں نسب دانی باقاعدہ ایک علم کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا سیکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ پہنچ کر ایک ماہر انساب کے پاس گئے اس نے مشورہ دیا کہ کوئی ذریعہ معاش پیدا کرو پھر علم سیکھنا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ دس سال کے تھے، خالق حقیقی نے بچے کو مسلمانوں کا امام بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے حصول علم کے شوق کا یہ عالم تھا کہ کسی عالم سے کوئی حدیث یا مسئلہ سنتا اسے سنتے ہی یاد کرلیا کرتا اور ہڈیوں پر لکھ لیا کرتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں ''میں اتنا غریب تھا کہ کاغذ تک خریدنے پر قادر نہ تھا اس لئے ہڈیوں پر لکھا کرتا اور ان ہڈیوں کو مٹکے میں احتیاط سے محفوظ کر لیتا۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چچا کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شوق کو دیکھنے کے باوجود وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مدد سے قاصر تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرب قبائل میں خاصا وقت گزارا۔ اس لئے آپ کو عربی زبان میں بڑی مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ اصمعی جیسے عربی ادب کے ماہر آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

حصول علم کی ابتداء

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر چہ علم کا شوق ابتداء سے تھا مگر باقاعدہ طلب علم کا آغاز مکہ معظمہ سے ہوا، جو اسلام کی ابتدائی دو صدیوں تک علم کا بہت بڑا مرکز تھا، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عہد صحابہ رحمۃ اللہ علیہم کے دور اخیر میں اس کی کثرت ہوئی، اسی طرح تابعین و تبع تابعین میں بڑے بڑے فقہاء و محدثین ہوئے، اس کے بعد حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

﴿ثم فی اثناء الماء الثالثة تناقص علم الحرمین و کثر بغیر هما﴾

پھر تیسری صدی میں حرمین کا علم کم ہو گیا، اور دوسری جگہوں پر کثرت ہوئی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

دراصل وہاں کی علمی رونق حضرت عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ سے تھی، بہر کیف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے اور ان سے مسلسل تین سال استفادہ کیا، جب عمر تیرہ سال کی ہوئی تو مدینہ طیبہ، امام دارالہجرۃ مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس کے آستانے پر حاضر ہوئے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''تمہارے قلب میں ایک نور ہے، معاصی سے اسے ضائع نہ کرنا، تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا، ایک دن آئے گا کہ تم بڑے شخص ہوگے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے موطا کی قرأت زبانی کی، امام موصوف کو اس پر تعجب ہوا۔ (توالی التاسیس) امام شافعی صرف آٹھ ماہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ (تانیب الخطیب ص ۱۸۲) اس کے بعد مدینہ منورہ سے واپس مکہ معظمہ آگئے اور وہاں کے شیوخ بالخصوص محدث شہیر سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرتے رہے۔

ایک دن آپ کو علم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ فقہ و حدیث کے امام اور مفتی ہیں۔ آپ ان کے پاس پہنچ گئے۔ مفتی مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ اس نو عمر لڑکے کی ذہانت، ذکاوت اور حافظہ سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ تین سال تک فقہ و حدیث کی تعلیم دی۔ مفتی صاحب کی مجلس میں اکثر

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ رہتا تھا جو مدینہ منورہ میں درس دیا کرتے تھے، چنانچہ مفتی مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کے نوجوان شاگرد نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، مفتی صاحب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط لکھ کر حوالے کر دیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط

مفتی مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے لکھا تھا ''میں نوجوان کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں وہ آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا واقعی مستحق ہے۔اس میں غیر معمولی صلاحیتیں ہیں۔''

ہمت مرداں مدد خدا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط تو مل گیا لیکن اب سفر کے اخراجات کیونکر پورے ہوں۔نہ تو محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس اتنی رقم تھی نہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چچا کے پاس اتنا سرمایہ تھا، لیکن علم حاصل کرنے کا شوق آپ کو کشاں کشاں حضرت مصعب بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گیا۔عرض مدعا کی، تو حضرت مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سے سفارش کر کے سو دینار دلوا دیئے۔رقم ملتے ہی آپ نے سفر کے انتظامات کئے اور مدینہ منورہ جا پہنچے۔

مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر دستک دی۔خادمہ آئی نام پوچھ گئی، پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔آپ نے مفتی مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کا خط پیش کیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھا اور پھاڑ کر پھینک دیا اور فرمایا ''سبحان اللہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اب اس قابل رہ گیا ہے کہ وہ سفارشوں سے حاصل کیا جائے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی برہمی حالت دیکھ کر محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) آگے بڑھے اور کہنے لگے ''میں عبدالمطلب کے خاندان کا فرد ہوں۔'' پھر اپنا حال اور قصہ بیان کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فراست

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بے پناہ فراست کے مالک تھے انہوں نے اس نوجوان کی طرف کچھ دیر دیکھا پھر فرمایا: ''نام کیا ہے؟ جواب ملا'' محمد بن ادریس'' امام مالک نے فرمایا ''محمد! اللہ سے ڈرو، گناہوں سے بچو، بے شک تمہاری شان بہت بلند ہوگی۔''

پھر فرمایا: ''کل آنا اور اپنے ساتھ ایک شخص لیتے آنا جو تمہارے لئے قرأت کرے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود بیان کرتے ہیں، دوسرے دن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا۔ کتاب (مؤطا) میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے خود ہی قرأت شروع کردی۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت سے مرعوب ہوکر جب ارادہ کرتا کہ اب قرأت روک دوں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پسندیدگی سے فرماتے: ''صاحبزادے! اور۔۔۔۔اور''

کمال علم اور غیر معمولی فراست

محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) تین سال تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کرتے رہے! دیگر ۸۱ شیوخ سے بھی سند حاصل کی، پھر آپ مکہ مکرمہ واپس چلے آئے اس کے بعد یمن میں قیام فرمایا، اس دوران میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قبیلہ ہذیل میں تیراندازی، فن لغت، فن تاریخ، علم الانساب، فن نحو، عروض اور علم فراست میں کمال پیدا کیا۔ آپ بہترین طبیب بھی تھے، جالینوس، ارسطو، بقراط اور دیگر حکمائے روم و یونان کی کتب پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ کی غیر معمولی فراست کا ایک واقعہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے استاد امام حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک بار میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ سے باہر چلے، راستے میں ایک شخص ملا، میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''فراست سے کام لے کر بتایئے کہ اس شخص کا ذریعہ معاش کیا ہے؟''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ شخص بڑھئی یا درزی معلوم ہوتا ہے۔''

اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا: ''میں پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا، آج کل درزی ہوں۔'' آپ کو تیراندازی میں کمال حاصل تھا۔ خود فرماتے ہیں ''مجھے دو چیزوں کا بڑا شوق ہے۔ ایک تیز اندازی اور دوسرے علم، تیراندازی میں تو واقعی میں نے کمال

حاصل کرلیا۔ باقی رہا علم" اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا "خدا کی قسم، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علم، تیر اندازی کے فن سے بھی زیادہ کامل ہے۔"

تیرانداز کو انعام دینا

آپ باکمال افراد کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ ایک شخص تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ تیر نشانے پر بیٹھا۔ جیب سے تین دینار نکال کر دیئے اور افسوس ظاہر کیا کہ "مزید رقم نہیں ہے اگر پاس اور دینار ہوتے تو وہ بھی دے دیتا۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کی وصیت فرمائی اور پیشگوئی کی کہ "اللہ تعالیٰ تجھے بہت بڑا مرتبہ عطا فرمائے گا۔" کچھ عرصہ یمن میں گزارا پھر عراق تشریف لائے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد بن حسن قدس سرہ العزیز سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: "امن النا س علی" **فی الفقه محمد بن الحسن**: "امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے۔

پندرہ سال کی عمر میں آپ کے اساتذہ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ ۱۹۵ھ میں بغداد آئے اور یہاں قیام کے دوران آپ نے اپنی قدیم کتابیں تحریر کیں، مصر جا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الام" وغیرہ جدید کتب تحریر کیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرض الموت کی حالت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پیشتر خواب میں دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ ان کا جنازہ لے جا رہے ہیں۔ میں نے اس خواب کی تعبیر ایک معتبر شخص سے دریافت کی، تو اس نے کہا کہ موجودہ وقت کا سب سے بڑا عالم وفات پائے گا۔ کیونکہ علم، آدم علیہ السلام کا خاصہ ہے اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔

امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مرض الوفات میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا! آپ نے کس حالت میں صبح کی ہے؟ فرمایا آج دنیا سے رحلت کرنے والا ہوں، دوستوں کو چھوڑنے والا ہوں، موت کا پیالہ

پینے والا ہوں، اپنے اعمال بد سے ملنے والا ہوں، اللہ کے رو برو حاضر ہونے والا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ میری روح جنت میں داخل ہوگی اور اس کو خوش آمدید کہتا ہوں یا دوزخ میں ڈالی جاتی ہے اور میں اس پر ارمان کرتا ہوں۔ پھر آپ رو پڑے اور یہ اشعار کہے:

ولما قسا قلبي وضاقت مذاهبي
جعلت الرجاء مني لعفوك سُلّما

تعاظمني ذنبي فلما قرنته
بعفوك ربي كان عفوك اعظما

ترجمہ: جب میرا دل سخت ہوگیا اور راستے تنگ ہو گئے، میں نے آپ سے معافی کی امید کو سیڑھی بنایا ہے۔ مجھے اپنے گناہ بڑے لگتے ہیں لیکن جب میں نے ان کو تیرے معاف کرنے سے مقابلہ کیا تو تیرا معاف کرنا بہت بڑا پایا۔ پس میں ہمیشہ گناہ سے معافی مانگتا رہا اور تو مہربانی کرتا رہا اور احسان عزت کرتے ہوئے معاف کرتا رہا۔ اگر آپ (کا یہ کرم) نہ ہوتا تو شیطان سے کوئی بزرگ نجات نہ پا سکتا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے اس نے حضرت آدم صفی اللہ کو بھی پھسلا دیا۔

غسل دینے کی وصیت

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا غسل میت محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ دیں گے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی۔ وہ تشریف لائے اور فرمایا کہ ''ان کے حساب کا رجسٹر پہلے مجھے دکھاؤ! رجسٹر لایا گیا۔ اس میں حضرت امام کے ذمہ جو قرضہ لوگوں کا تھا وہ حساب کر کے جمع کیا اس کی مقدار ستر ہزار درہم تھی محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سب قرضہ میرے ذمہ ہے۔ اپنی ذمگی کا کاغذ لکھ دیا اور فرمایا کہ میرے غسل دینے سے یہی مراد تھی اور اس کے بعد اس سارے قرضہ کو ادا کر دیا۔ (اتحاف)

وصال

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ساڑھے چار سال مصر میں گزارے۔ اہل مصر کی اکثریت اور امت مسلمہ کے ایک تہائی افراد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور شافعی المذہب ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھر پور علمی زندگی بسر کی۔

کئی رسائل وکتب تصانیف کیں۔ جامع عمرو بن عاص کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔ بالآخر رجب المرجب ۲۰۴ھ میں شب جمعہ کو وصال فرمایا۔

آخری لحات میں رقت بھرے انداز میں یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضا قت مذاھبی   جعلت رجائی نحو عفوک سلما

تعاظمنی ذنبی فلما قر نته   بعفوک ربی کان عفوک اعظما

"الٰہی جب میرا دل سخت ہوگیا اور تمام راستے بند ہو گئے تو میں نے اپنی امید کو تیرے عفو وکرم تک رسائی حاصل کرنے کا زینہ بنالیا۔ میرے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں لیکن تیرا عفو وکرم میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ ۱۹۸ھ/۸۱۳ء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر تشریف لے گئے۔ فسطاط میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ/ ۲۰ جنوری ۸۲۰ء کو عصر کے وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بگڑ گئی عشاء کی نماز ادا کی اور گڑگڑا کر دعا مانگی۔ دعا سے فارغ ہو کر لیٹے ہی تھے کہ اللہ نے اپنے پیارے بندے کو اپنے پاس بلالیا۔"

زمرد کی کرسی

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا کہ "کرسی پر بٹھا کر زر وجواہر نثار کئے اور چند دینار کے بدلے میں ستر ہزار دینار دے کر رحمت فرمائی۔"

آخر علم وادب، فقہ واجتہاد اور اصلاح وتجدید کے اس باعظمت بزرگ کا بھی وقت آپہنچا۔ ۵۴ سال کی عمر تھی کہ مصر میں ۳۰/ رجب ۲۰۴ھ کو بعد نماز مغرب جمعہ کی شب میں وفات پائی اور جمعہ کے دن بعد عصر تدفین عمل میں آئی۔ سدا رہے نام اللہ کا

انالله وانا اليه راجعون

مزار مبارک

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک نہایت خوب صورت ہے۔ کمرہ کے درمیان ۱۵× ۱۵ کی جالی ہے۔ جس کی بلندی تقریباً دس فٹ ہے۔ یہ جالی اعلیٰ قسم کے نقش ونگار سے آراستہ ہے۔ اندر شیشے کی دیوار ہے جس کے وسط میں مزار مبارک ہے۔ جو طول وعرض میں ۱۰×۱۰ اور تقریباً سات فٹ بلند ہے۔ مزار کے سرہانے تقریباً دو فٹ بلند دستار کی

علامت بنی ہوئی ہے۔ جالی پر آیات اور اشعار لکھے گئے ہیں۔ اسی روضہ مبارکہ کے اندرونی جانب بھی تحریریں ہیں۔

آپ کے مزار مبارک کی جالی کے ساتھ اور جالی ہے جو طول و عرض میں ۱۰×۱۰ کی ہوگی۔ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے صدیق عبداللہ بن محمد بن حکم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ ایک جانب ایک کٹہرے میں سلطان محمد کامل رحمۃ اللہ علیہ اور ملکہ شمس کے مزارات ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اصلاح امت اور احیاء دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے جس عظیم مصلح اور مجدد کو وجود بخشا گیا، وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف اگر عظیم محدث ہیں تو دوسری طرف ایک عظیم فقیہہ بھی ہیں اور تیسری طرف ایک عظیم مصلح اور مجدد بھی ہیں۔

حدیث اور فقہ کے امام، عابد و زاہد، اقلیم ابتلا کے شہنشاہ، حرمت قرآن کے پاسبان، یہ ہے وہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پکارتی ہے۔ علم حدیث میں ان کا بڑا فیضان ہے، بخاری، مسلم اور ابوداؤد جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ یزید بن ہارون ان کی تعظیم کرتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ان کے علم وفضل پر تحسین اور ان کے عزم واستقلال پر آفرین کہتے تھے، عباس عنبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، وہ حجت ہیں ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ احفظ ہیں اور قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ دنیائے علم کے امام ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو اسلامی فقہ کے چوتھے امام اور حنبلی فقہ کے بانی تسلیم کئے جاتے ہیں، دنیائے اسلام کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار کئے جاتے ہیں، جن کے کردار کی بلندی اور علمی عظمت نے انہیں تاریخ اسلام میں ایک لافانی مقام عطا کیا ہے۔ انہوں نے اور ان کے شاگردوں نے اسلام کو غیر اسلام اثرات سے پاک کر کے اس کی نشأۃ ثانیہ میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ربیع الثانی ۱۶۴ھ مطابق دسمبر ۷۸۰ء میں بغداد میں پیدا ہوئے نسلاً عرب تھے اور بنوشیبان کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس نے عراق اور خراسان کی اسلامی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ان کا خاندان پہلے بصرہ میں آباد ہوا۔

ان کے دادا حنبل بن ہلال بنوامیہ کے عہد خلافت میں سرخس کے گورنر تھے، جن کا مستقر مرو میں تھا۔ ان کے والد محمد بن حنبل جو خراسان میں شاہی افواج میں ملازم تھے، بعدازاں بغداد چلے آئے، جہاں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ صغرسنی میں ہی اپنے والد کے سایہ عاطفت سے محرم ہو گئے، ورثہ میں آپ کو جو جائیداد ملی وہ ایک متوسط خاندان کی کفالت کر سکتی تھی۔ انہوں نے بغداد میں لغت، فقہ اور حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں عراق، حجاز، یمن اور شام کا تعلیمی سفر کیا۔ تاہم آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام زیادہ تر بصرہ میں رہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ بار حج کیا۔ اس دوران میں آپ رحمۃ اللہ علیہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور بھی رہے اور سنہ ۸۱۵ء تک یعنی ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کیا۔

نام ونسب وابتدائی حالات

سلسلہ نسب احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی، کنیت ابوعبداللہ، وہ خالص عربی النسل اور قبیلہ بنوشیبان (عہد صدیقی کے مشہور سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا) میں سے تھے، امام احمد کی والدہ مرو سے بغداد آئیں تو وہ پیٹ میں تھے، اور وہیں ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، تین سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ خاندانی اعتبار سے شیبانی ہیں۔ بنوشیبان بصرہ میں آباد تھے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا وہاں سے منتقل ہو کر خراسان چلے آئے تھے اور بنوامیہ کے عہد میں سرخس کے گورنر تھے۔ خراسان میں جب عباسی دعوت بلند ہوئی تو اس کے داعیوں میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ وہ اسے حق سمجھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نانا بھی بنوشیبان کے سرداروں میں سے تھے، کریم اور سخی تھے ان کا دروازہ مہمانوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

نجیب الطرفین

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ماں اور باپ دونوں طرف سے شریف اور نجیب تھے۔ ان کی رگوں میں ایک شریف اور خوددار باپ کا خون گردش کر رہا تھا۔ ہمت وعزم اور صبر وتحمل اور ایمان راسخ جیسے اعلیٰ اوصاف آپ کو ورثے میں ملے تھے۔

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور زبان کی تعلیم حاصل کی، تقویٰ وطہارت، نجابت و صلاحیت کے آثار ابتداء سے ہی نمایاں تھے، انہیں آثار کو دیکھ کر انکے زمانے کے صاحب نظر (ہیثم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا تھا "اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یتیمی میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالتے ہی اپنے کو تنہا محسوس کیا۔ وہ خود فرماتے ہیں "میں نے اپنے والد اور دادا کسی کو نہیں دیکھا" آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی پرورش کی۔ تعلیم وتربیت کا بوجھ اٹھایا۔ باپ دادا نے آپ کو بالکل قلاش نہیں چھوڑا تھا بلکہ گزر بسر کے لائق بغداد میں کچھ جائداد تھی، جس کی آمدنی سے آپ کی والدہ نے آپ کو پالا پوسا اور آپ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ ادا کیا۔

بلند کردار بنانے والی پانچ صفات

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں پانچ ایسی چیزیں جمع ہوگئی تھیں کہ جس شخص میں بھی وہ جمع ہو جائیں وہ ہمیشہ بلند کردار کا مالک بنتا ہے گھٹیا کاموں سے دور بھاگتا ہے اور بلندیوں کا طالب رہتا ہے۔ نمبر (۱) حسب ونسب کا شرف، نمبر (۲) یتیمی، نمبر (۳) عیش وعشرت اور فقر وفاقہ کے درمیان معتدل معاشی حالت، نمبر (۴) قناعت اور فکر ونظر میں بلندی کا جذبہ، نمبر (۵) تقویٰ اور پرہیزگاری۔ آپ کو تعلیم وتربیت بھی ایسی ملی جس نے ان قدرتی خوبیوں میں چار چاند لگا دیئے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تربیت اپنی والدہ محترمہ کے علاوہ بغداد کے علماء اور محدثین سے حاصل کی۔ بغداد عالم اسلام کا دارالخلافہ تھا۔ ہر علم وفن کے باکمال اور ماہرین یہاں جمع تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے ایک بڑا عالم دین بنانے کا خواہش مند تھا۔ حسن اتفاق کہ خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طبعی رجحان بھی دینی علوم کی طرف تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جلد قرآن پاک حفظ کرلیا۔ پرہیزگاری اپنی پوری آن بان کے ساتھ بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے بڑھاپے تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اندر قائم رہی بلکہ برابر پروان چڑھتی رہی۔ حفظ قرآن اور عربی زبان کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خوشنویسی کی طرف توجہ فرمائی۔

آپ کے تقویٰ اور تحریر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مہارت کی وجہ سے عورتیں اپنے شوہروں کو خطوط آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی سے لکھواتی تھیں، حالانکہ آپ ابھی لڑکے ہی تھے۔ مگر آپ نے کبھی ایسی ویسی بات اپنے قلم سے نہیں لکھی۔ ایک بار ہارون الرشید اپنی فوج لئے رقہ میں مقیم تھا۔ بغداد میں فوجیوں کے خطوط ان کی بیوی کے نام آتے تھے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہی وہ خطوط پڑھواتی تھیں اور جواب لکھواتی تھیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکپن میں ان کے ہم عمر لڑکے اور لڑکوں کے باپ دونوں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

علامہ ہشیم بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن ہی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی فطری صلاحیتوں اور اعلیٰ خصوصیات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بچہ کیا ہونے والا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا تھا "یہ لڑکا اگر زندہ رہا تو اپنے زمانے کے لئے حجت ہوگا۔"

ان کا قبیلہ بصرہ میں رہتا تھا اور ان عرب قبائل میں سے تھا جن کی بہادری، جان فروشی، صبر وہمت اور جرأت واستقامت تاریخی طور پر مسلم تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حنبل بن بلال رحمۃ اللہ علیہ بصرہ سے خراسان چلے گئے۔ وہیں اموی فوج میں شامل ہوئے اور ترقی کرتے کرتے کمانڈر بنے، پھر سرخش کے گورنر مقرر ہوئے۔ واضح رہے کہ بنوامیہ کے عہد میں فوج کے اعلیٰ کمانڈر ہی گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔

جب عباسیوں نے اہل بیت اور بنو ہاشم کے نام سے خراسان میں اپنی دعوت شروع کی تو حنبل اس دعوت کے ہمدردوں اور کارکنوں میں شریک ہوگئے اور اس راہ میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے والد محمد بن حنبل بھی فوجی تھے۔ ابھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا نہیں ہوئے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ مرو سے بغداد چلی آئیں اور یہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

ان کی والدہ بڑی باہمت اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ شوہر نے مختصر سی جائیداد چھوڑی تھی۔ اسی پر تنگی ترشی سے گزر بسر ہوتی۔ اس طرح امام صاحب بچپن ہی سے صبر وشکر، قناعت، جفاکشی، بلند ہمتی، زمانے کی مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنے کے خوگر ہوگئے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بغداد ہی میں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ اس زمانے کا بغداد پوری دنیائے اسلام کا دارالخلافہ اور علم وتہذیب کا مرکز تھا۔ فنون ومعارف کا بحرِ زخار تھا جو موجزن تھا۔ بڑے بڑے علماء محدث، زبان دان، فقیہہ اور فلسفی موجود تھے اور علم کے پیاسے علم وفن کے اس منبع سے فیض یاب ہونے کے لئے چاروں طرف سے اُمڈ کر آرہے تھے۔ امام صاحب کو تو گویا یہ منبع گھر بیٹھے میسر آگیا۔ ان کی والدہ خاندانی روایات کے برعکس اپنے بچے کو عالم بنانا چاہتی تھیں چنانچہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ مکتب میں بٹھائے گئے۔ سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر علم لغت حاصل کیا۔ اس کے بعد لکھنا سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حافظہ دیا تھا۔ ایک بار جو کچھ پڑھتے یا سنتے ذہن پر گویا نقش ہو جاتا۔

علم حدیث کی تحصیل

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ سال کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لئے ۱۷۹ھ میں سب سے پہلے بغداد کے مشہور شیخ ہیثم کی خدمت میں چلے گئے۔ اسی سال عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تشریف لائے، امام احمد کو اس کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے، معلوم ہوا کہ وہ طرطوس چلے گئے اور دو سال بعد ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔

بغداد جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، خلافت عباسیہ میں بہت بڑا علم وفن کا مرکز تھا۔ جس کو محدث حاکم نیشاپوری، مدینۃ العلم ومرجع العلماء والافاضل فرماتے ہیں۔ (معرفہ علوم الحدیث ص ۱۹۴) بغداد میں علم حدیث کی نشر واشاعت کا یہ حال تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں عام طور پر ہزاروں طلباء کا ہجوم ہوتا تھا۔

بغداد کے بڑے بڑے محدثین کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ دارالخلافہ کے علمی سرچشموں سے فیض یاب ہو چکے تو بصرہ، حجاز، یمن، شام اور جزیرے کا سفر کیا اور ہر جگہ ماموں محدثین سے استفادہ کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی بار ملاقات اور ان کی شاگردی کی سعادت حجاز کے پہلے سفر ہی میں حاصل ہوئی۔ طلب حدیث کی راہ میں ہر طرح کے مصائب اور شدائد جھیلتے اور کالے کوسوں کا فاصلہ پیدل طے کر کے علم

وفضل کے ان سرچشموں تک پہنچتے جن کا چرچا بلاد اسلامیہ میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بلند ہمتی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار جو نیت کرتے اسے پوار کر کے رہتے۔

جوارادہ کرتے اسے پورا کرتے

ایک مرتبہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پروگرام بنایا کہ پہلے حج کو جائیں گے کچھ روز حجاز میں رہ کر حدیث سننے کے لئے عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں صنعاء (یمن) حاضر ہوں گے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس ارادے کا ذکر اپنے ہم درس یحییٰ بن معین سے بھی کر دیا۔ دونوں اس نیت سے مکہ پہنچے۔ ابھی طواف قدوم ہی کر رہے تھے کہ عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ طواف کرتے دکھائی دیئے۔ یحییٰ بن معین ان کو پہچانتے تھے چنانچہ سلام کیا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرایا۔ عبدالرزاق نے انہیں درازی عمر اور راہ حق میں ثابت قدمی کی دعا دی اور کہا "میں نے ان کی بڑی تعریف سنی ہے۔"

ابن معین نے کہا: "انشاء اللہ ہم کل حدیث کا سماع کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔" عبدالرزاق چلے گئے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن معین سے کہا: "یہ تم نے شیخ سے کل ملنے کا وعدہ کیوں کر لیا؟" انہوں نے کہا: "حدیث سننے کے لئے شکر کرو اللہ نے صنعاء کے سفر کی زحمت اور مصارف سے بچا لیا اور شیخ سے یہیں ملاقات ہوگئی۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں حدیث کے لئے سفر کی نیت کروں اور پھر اسے توڑ ڈالوں۔ ہم یمن جائیں گے اور وہیں سماع حدیث کریں گے۔" چنانچہ حج سے فارغ ہونے کے بعد یمن گئے اور حدیث کا سماع کی۔

راہِ علم میں

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی میں جب علم حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی تو سب سے پہلے بغداد کے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ مگر آپ کا عزم آپ کو عراق شام اور حجاز ہر جگہ لے گیا۔ چنانچہ آپ کی کتاب مسند میں حجازی شامی کوفی اور بصری علماء سے حاصل کی ہوئی حدیثیں ایک تناسب کے ساتھ موجود ہیں۔

۱۷۹ھ سے ۱۸۶ھ تک آپ نے بغداد میں علم حاصل کیا۔ اس کے بعد بصرہ، حجاز اور

یمن میں تشریف لے گئے اور جہاں جس قدر ضرورت محسوس فرمائی اسی قدر وہاں قیام فرما کر اپنا دامن علم کے موتیوں سے بھر لیا۔ چنانچہ پانچ مرتبہ بصرہ اور پانچ ہی بار حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تین حج پیدل کئے یہ شاید اس لئے کہ روپیہ پیسہ آپ کے پاس کم تھا نیز راہ خدا میں مشقت جھیلنا بھی آپ کارِ ثواب خیال کرتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''اگر میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو میں حدیث کی سماعت کرنے جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مقام ری ضرور جاتا۔ ہمارے کچھ ساتھی گئے لیکن خالی ہاتھ ہونے کی وجہ سے میں نہ جا سکا۔'' آپ یہ بھی فرمایا کرتے ''میں اس وقت تک علم حاصل کرتا رہوں گا جب تک قبر میں نہ پہنچ جاؤں۔''

بغداد کے محدثین میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شان ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحصیل علم حدیث شروع کی تو سب سے پہلے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں لکھیں۔

(مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص ۲۲، ۲۳)

پھر چار برس تک بغداد میں امام حدیث ہشیم بن بشیر بن ابو حازم الواسطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۳ھ) سے استفادہ کرتے رہے، اس اثناء میں بغداد کے دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔ (مناقب امام احمد ص ۲۵)

بغداد سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن شام اور جزیرہ کا سفر کیا، اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۰۱)

۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پختہ کار ہو چکے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے صحت و سقم کے بارے میں اکثر ان پر اعتماد کرتے اور فرماتے کہ اگر تم محدثین کے یہاں حدیثیں صحیح ہوں تو مجھے بتلا دیا کرو میں اسی کو اختیار کروں گا، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہد و فقیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مگر ان پر حدیث کا رنگ غالب تھا، انہوں نے جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ محدث سے حدیث سننے کیلئے ایران جانے کا بھی قصد کیا لیکن خرچ نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے۔''

اس بلند ہمتی و کثرت اسفار اور فطری وغیر معمولی حافظہ کا نتیجہ تھا کہ ان کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں ۔اس وسعت علم اور کثرت حفظ کے باجود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے متاثر تھے،اور کہتے تھے:''مارات عینا ی مثلہ ''انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اجتہاد کے اصول سیکھے اور اس کا ملک اخذ کیا اور بالآخر وہ اس امت کے نامور مجتہدین میں سے ہوئے ،ان کی فقہ ابھی تک عالم اسلام میں زندہ ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے بڑے معترف اور قدردان تھے،بغداد سے جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

﴿ خرجتُ من بغداد وما خلفت بها اتقٰى ولا افقه من احمد بن حنبل ﴾

میں بغداد چھوڑ کر جارہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی متقی ہے نہ کوئی فقیہہ ۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا کا سماع بھی حاصل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کے حصول کے لئے ۷۹۵ء سے ایران،خراسان،حجاز،یمن،شام،عراق اور مغرب کے متعدد دورے کئے ۔''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جو ان کے استاد تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ ذہین شخص تھے جن سے ان کا سابقہ پڑا۔''

شیوخ وتلامذہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں بغداد کے قاضی محمد ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، دبستان حجاز کے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، بصرہ کے عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ اور کوفہ کے واقع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے بہت متاثر ہوئے اور اس لئے ان کے شاگرد رشید تسلیم کئے جاتے ہیں ۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول علم حدیث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر عظیم محدثین اور دبستان حجاز سے تحصیل علم کیا۔

رحلتِ علمی

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے جیسے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیثم بن بشیر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ، وکیع، یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔

تلامذہ کے متعلق حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ، معین رحمۃ اللہ علیہ و، عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ اور "خلق عظیم" اور ایک بہت بڑی خلقت۔ "خلق عظیم" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ان کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے، جس میں بڑے بڑے ائمہ فن داخل ہیں۔

(تذکرہ جلد ۵ ۸)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں اسحاق بن منصور رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر الاثرم رحمۃ اللہ علیہ، حنبل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، الملک المیمونی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر المروزی رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد الجستانی رحمۃ اللہ علیہ، عرب الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم بن اسحاق عربی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کو تحریر کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کے شاگرد در شید امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کے عظیم مصلح دین بن کر ابھرے۔

مجلس درس

چالیس سال کی عمر میں غالباً ۲۰۴ھ میں انہوں نے حدیث کا درس دینا شروع کیا، یہ بھی ان کا کمال اتباع سنت تھا کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال جو سنِ نبوت ہے، علوم نبوت کی اشاعت شروع کی۔ (احمد بن حنبل از ابو زہرہ ص ۳۴) ابتداء ہی سے انکے درس میں سامعین وطالبین کا اژدھام ہوتا تھا، بعض راویوں کا یہ بیان ہے کہ ان کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی۔ جن میں سے پانچ پانچ سو صرف لکھنے والے ہوتے تھے، ان کی مجلس درس بڑی سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی۔

(حلیۃ الاولیاء ۹ ص ۱۴۵)

شاگردوں کا خاص حلقہ وہ تھا جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا کر ان سے حدیث سنتا اور لکھتا۔ درس کی یہ محفلیں نہایت پروقار، پرسکون اور سنجیدہ ہوتیں۔ حاضرین ادب اور

وقار کے ساتھ بیٹھتے۔ ہنسی مذاق یا حدیث کے ادب واحترام کے خلاف کوئی بات زبان پر آنے نہ پاتی۔ غریبوں کو امیروں اور دنیاداروں پر ترجیح دیتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی ابوبکر مروزی بیان کرتے ہیں:

> ''میں نے غریب آدمی کو جس قدر معزز و محترم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں دیکھا اور کہیں نہیں دیکھا۔ وہ غریبوں کی طرف متوجہ رہتے اور امیروں سے بے رخی برتتے۔ ان میں حلم اور وقار تھا۔ وہ عجلت پسند نہ تھے۔ نہایت متواضع تھے۔ طمانیت اور وقار ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ عصر کے بعد جب وہ درس کے لئے بیٹھتے تو جب تک ان سے سوال نہ پوچھا جاتا گفتگو نہ فرماتے۔''

شاگردوں کو تلقین

امام اُحمد رحمۃ اللہ علیہ غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے، انہیں دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں لیکن اس کے باوجود محض قوت حفظ پر اعتماد کر کے کبھی کوئی حدیث روایت نہ کرتے بلکہ جب بھی ضرورت پڑتی کتاب سے کام لیتے۔ اپنے شاگردوں کو بھی تلقین کرتے کہ کتاب دیکھے بغیر روایت بیان نہ کرو۔ یہ اہتمام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط پسندی کی وجہ سے تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی کتابوں کا چلن عام ہو گیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کی حیثیت ایک مجتہد کی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق احادیث واخبار کے انبار میں اپنا مسلک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود تلاش کیا ہے اور اپنی رائے کے ساتھ حدیثوں کے صحیح مفہوم سمجھا اور ان سے پیدا شدہ نتائج کا مکمل استخراج کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی جن میں پانچ سو تو صرف لکھنے والے ہوتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت محدثین شامل ہیں۔

درس کی خصوصیات

آپ رحمۃ اللہ علیہ درس کی دو مجلسیں قائم کرتے تھے۔ایک اپنے گھر پر، جس میں خاص تلامذہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد شریک ہوتی تھی۔ دوسری مجلس جامع مسجد میں جہاں عام لوگ شریک ہوتے تھے۔اس مجلس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی کچھ خوبیاں خصوصی رنگ لئے ہوئے تھیں مثلاً:

(۱)..... آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں تواضع ،اطمینان ،وقار اور سکون کی کیفیت اور فضا رہتی تھی۔سنجیدگی اور سکینت کی کیفیت ،حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بلندی کے لئے ضروری بھی تھی۔یوں بھی جو بات سکون اور وقار کے ساتھ ہو اس کا اثر ہوتا ہے اور جو بات ہنسی اور مذاح کے انداز میں ہو اس کا اثر اول تو ہوتا ہی نہیں اور اگر لطف ولذت کی حد تک کچھ اثر ہوتا بھی ہے تو وہ دیرپا نہیں ہوتا۔نیز حدیث کا درس عبادت بھی ہے اور عبادت میں ہنسی اور مزاح سے کیا سروکار؟

(۲)..... آپ رحمۃ اللہ علیہ بغیر طلب درس نہیں دیتے تھے۔جب تک پورا اطمینان نہیں کر لیتے کہ حدیث واقعی حدیث ہے تب تک اسے حدیث رسول نہیں کہتے تھے۔یعنی تحقیق اور تیاری کے بغیر درس نہیں دیتے تھے۔صرف حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے (حالانکہ آپ قوی الحافظہ تھے) بلکہ پہلے کتاب دیکھ لیتے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ درس کے دوران غریب طلبہ کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے۔

چنانچہ ابو بکر مروزی کی روایت ہے کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی کم مایہ اور غریب طالب علم کو مغرور اور ممتاز نہیں دیکھا۔آپ ہمیشہ نادار طلبہ کی طرف متوجہ رہتے تھے مخصوص طلبہ کو اور اپنے صاحبزادوں کو بغیر طلب بھی درس دیتے تھے اور املا کراتے تھے۔

(۳)..... اپنی رائے اور فتویٰ لکھنے سے منع فرماتے تھے۔حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ رحمۃ اللہ علیہ املا کراتے تھے اور بیان فرماتے تو لکھنے سے منع نہیں فرماتے تھے لیکن اپنی رائے اور فتویٰ لکھنے سے منع فرماتے تھے اصل میں یہ بھی ایک طرح کی عاجزی اور انکساری ہی تھی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ

امام ابو یوسف قاضی القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ فقیہ، مجتہد، محدث سبھی کچھ تھے، ان کی امامت اور جلالت شان مسلّم ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت علم واقتدار کی ریاست سے نوازا تھا، ان کی ابتدائی زندگی انتہائی معمولی اور بے بسی کی ہے پھر وہ ان مقامات ہائے تر تک کیسے پہنچ گئے۔ اس کی وجہ یہی انتھک محنت، جدوجہد اور بلند ہمتی ہے۔

ابراہیم بن جراح کہتے ہیں میں نے قاضی ابو یوسف سے خود سنا ''ہم نے بھی طلب علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلب علم کیا کہ شمار نہیں کر سکتے مگر علم سے نفع صرف اسی شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا'' مراد انکی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت امام ابو یوسف کے گھر والے ان کے لئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیا کرتے تھے قاضی ابو یوسف وہی صبح کے وقت کھا کر حلقہ درس میں پہنچ جاتے اور پھر واپس آکر وہی کھا لیتے اور کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ عمدہ کھانے اور غذائیں تیار کرنے اور کھانے میں مشغول ہو کر ایک حصہ سے محروم رہ جاتے تھے۔

(کشکول حضرت مفتی اعظمؒ ص ۱۴۲)

درس میں حاضری کی پابندی اور شوق علم کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی وہ خود فرماتے ہیں ''میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا لیکن میں نے نہ اس کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا اور نہ تدفین میں، یہ سارا کام اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں پر چھوڑ دیا مجھے یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلس درس سے بچھڑ جاؤں اور کوئی سبق قضا ہو جائے اور یہ حسرت رہ جائے کہ فلاں سبق میں حاضر نہ تھا۔''

(علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات ص ۳۹)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں جن کا نام ابو طالب تھا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں آئے، کیا دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف علمی مذاکرے میں اونچی آواز سے بول رہے ہیں اور ہمہ تن بحث میں مشغول ہیں، ماموں ایک طرف چپکے کھڑے رہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر نظر پڑی تو پوچھا کیوں کھڑے ہیں تشریف رکھیے، ماموں کہنے لگے میں مذاکرہ اور علمی مباحثہ

میں اپنے بھانجے ابو یوسف کی بلند آواز اور اس توجہ وانہماک پر تعجب کرر ہا ہوں کہ آج تیسرا روز ہے کہ انہوں نے اور ان کے اہل وعیال نے کچھ نہیں کھایا۔

(علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۰)

سبحان اللہ! یہ ہے سچی لگن اور یہ وہ محنت ہے کہ جس کے بعد علم نے ابو یوسف کے سینے میں ڈیرے ڈالے اور انہیں امامت کے منصب پر فائز کیا، کھانے پینے کی فکر سے بھی جب بے نیاز ہو کر علم کے حصول کی جدوجہد کی جائے تب کہیں جا کر یہ حاصل ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔

﴿العلم عز لا ذل فيه يحصل بذل لا عز فيه﴾

علم سراسر عزت ہے اس میں ذلت کا شائبہ نہیں، لیکن حاصل ذلت سے ہی ہوتا ہے تحصیل میں کوئی عزت نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان سے کون سا طالب علم واقف نہیں، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا اسم گرامی آتے ہی دل عقیدت وعظمت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے انکی فقہ کے مرتب وہی ہیں انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم فقہ کا ہر باب بہت منظم ومرتب شکل میں پڑھتے ہیں لیکن شاید کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ان ہزاروں لاکھوں مسائل کی ترتیب وتنظیم میں کس قدر کاوشیں کی گئیں ہیں اور کتنے اساطین امت کی عرق ریزیاں، خون جگر انکی تدوین وترتیب میں شامل ہیں، ایک چھوٹا سا کوئی واقعہ ہمارے سامنے پیش آجائے تو اس کا شرعی حکم ان مدون شدہ مسائل سے نکالنے کیلئے کیسی دماغ سوزی ہوتی ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نئے سرے سے ان مسائل کی تخریج وتدوین میں کس قدر جانکاہی سے کام لیا گیا ہوگا۔

حدیث وفقہ کے استاذ، امام اور مجتہد، عابد وزاہد، جواد وفیاض، صاحب تصانیف کثیرہ واصل مراتب عظیمہ، یہ ہے وہ شخصیت جن کا نام نامی امام محمد ہے۔ جنہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کئے۔ ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کیں اور بے شمار شاگرد چھوڑے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن اکثم رحمۃ اللہ علیہ نے یحیٰی بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ ان دونوں میں کون زیادہ فقیہہ تھا۔ تو یحیٰی بن صالح نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہہ تھے۔

اور یہی خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ علوم فقہیہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کا ہے وہ محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے "اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی لغت میں اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ اور مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ نے یہ مسائل دقیقہ کہاں سے سیکھے؟ فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے۔

ولادت وسلسلہ نسب

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو محمد عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ صاحب الجواہر المضیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس طرح ذکر کیا ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حافظ ابن بزاز کردی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین نے بھی آپ کا نسب یونہی ذکر کیا ہے، البتہ صاحب کافی نے ایک روایت سے آپ کا نسب یوں بیان کیا ہے۔

محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حسن بن عبداللہ طاؤس بن ہرمز ملک بنی شیبان۔ لیکن صحیح نسب وہی ہے جس کو اکثر علماء نے بیان کیا ہے۔ نسبت شیبانی کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں، بعض علماء کے خیال میں یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد بنو شیبان کے غلام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حسن بن فرقد دمشق کے شہر حرسا کے رہنے والے تھے۔

بعد میں وہ ترک وطن کر کے عراق کے شہر واسط میں آ گئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۲ھ میں اسی جگہ پیدا ہوئے، بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۳۵ھ بھی سال ولادت تحریر کیا ہے۔

تعلیم وتربیت

واسط میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کوفہ چلے آئے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کا آغاز اسی شہر سے ہوا۔ حرمین شریفین کے بعد کوفہ اس دور کا سب سے بڑا مرکز علمی خیال کیا جاتا تھا۔ اس وقت کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار حضرات کے علم وفضل کا چرچا تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم پڑھا۔ علوم ادبیہ حاصل کئے اور پھر دینی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ مجلس میں آ کر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے

آپ کی رہنمائی کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دہرائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔

اس واقعہ کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گاہے بگاہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے۔ کم سن تھے اور بے حد خوبصورت، جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پہلے قرآن حفظ کرو، پھر آنا، سات دن کے بعد پھر حاضر ہو گئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''میں نے کہا تھا کہ قرآن مجید حفظ کر کے پھر آنا۔ عرض کیا: میں نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے۔'' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے والد سے کہا اس کے سر کے بال منڈوا دو، لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا۔ ابونواس نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے:

حلقوا راسه ليكسوه قبحا　　غيرة منهم عليه وشحا

كان في وجهه صباح وليل　　نزعوا ليله وابقوه صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تاکہ ان کی خوبصورتی کم ہو۔ ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹا دیا، صبح تو پھر بھی باقی رہی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ چار سال تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے او ان سے علوم دینیہ خصوصاً فقہ میں برابر استفادہ کرتے رہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ

فقہ ایک وسیع علم ہے کیونکہ کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط اور اجتہاد کے لئے دقیع نظر اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اس موضوع پر جس عظیم کام کرنے کی ضرورت تھی اس کے لئے ابھی علم کی مزید تحصیل اور مہارت کی ضرورت تھی اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جوہر شناس تھے۔ انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا، علم و فضل اور مرتبہ کی برتری کے باوجود وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بہت رعایت کرتے تھے۔ اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ علی الصبح درس شروع کیا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس وقت سماع حدیث کیلئے دوسرے اساتذہ کے پاس جاتے تھے، جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے درس میں پہنچتے تو ان کے زیر درس کافی مسائل گزر چکے ہوتے تھے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خاطر ان تمام مسائل کو پھر دہرایا کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی تحصیل کی بھی لگن تھی۔ چنانچہ وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں حاضر ہوئے جس طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ میں بے نظیر تھے اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں بے مثال تھے۔ اور یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے دو عظیم اماموں سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور ان سے سات سو سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔

دیگر اساتذہ کرام رحمۃ اللہ علیہم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جن اساتذہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ حدیث حاصل کیا، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، عمر بن رحمۃ اللہ علیہ فدر اور مالک رحمۃ اللہ علیہ بن مغول کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اساتذہ کے علاوہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور زمعہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء میں ان اساتذہ میں ربیع بن صالح رحمۃ اللہ علیہ اور بکیر بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر کیا ہے،

ان مشاہیر اساتذہ حدیث کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے دیگر مشاہیر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا اور ان سے روایت اور اجازت حاصل کی۔

تلامذہ کرام

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کی شہرت بہت دور دور تک پھیل چکی تھی اور اطراف و اکناف سے تشنگان علم آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوسلیمان جونسجانی رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن عبید اللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعبید بن سلام رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن توبہ رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کے علاوہ علی ابن مسلم طوسی کا بھی ذکر کیا ہے۔

ذہانت وفطانت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بے حد ذہین اور زیرک تھے اور بڑے بڑے عقدوں کو آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فضیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر مینڈک سرکہ میں گر جائے تو سرکہ پاک ہے یا ناپاک ابن ابراہیم نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ یحیٰ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو۔ ان سے پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا مجھے علم نہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ سرکہ پاک ہے کیونکہ مینڈک اپنے معدن میں مرا ہے۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا اگر مینڈک پانی میں مر جائے تو وہ پانی پاک ہوتا ہے اور اس پانی کو سرکہ میں ڈال دو تو وہ سرکہ بھی پاک رہے گا۔ اسی طرح مینڈک سرکہ میں گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس مسئلہ کی تقریر کی تو سامعین حیران رہ گئے۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے کہا کہ ”میں نے زبیدہ سے کہا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنت میں ہوتا ہے۔ زبیدہ نے پلٹ کر کہا نہیں تم ظالم اور فاجر ہو اور جنت کے اہل نہیں ہو۔“ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر ہارون الرشید سے فرمایا کبھی گناہ کے وقت یا گناہ کے بعد تم کو خدا کا خوف لاحق ہوا ہارون الرشید نے کہا،

خدا کی قسم، مجھے گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بے حد خوف ہوتا ہے فرمایا پھر تم دو جنتوں کے وارث ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " ولمن خاف مقام ربه جنتان " جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرماتا ہے۔

معمولات

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بے حد عبادت گزار تھے۔ تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب میں اکثر اوقات مشغول رہا کرتے تھے۔ رات کے تین حصے کرتے۔ ایک حصہ میں عبادت کرتے، ایک حصہ میں مطالعہ کرتے اور باقی ایک حصہ میں آرام کرتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرا، میں ساری رات نفل پڑھتا رہا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ چار پائی پر لیٹے رہے۔ صبح کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر وضو کیے نماز پڑھی۔ میں نے پوچھا، حضرت آپ نے وضو نہیں کیا؟ فرمایا تم نے ساری رات اپنے نفس کے لئے عمل کیا اور نوافل پڑھے اور میں نے تمام رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے عمل کیا اور کتاب اللہ سے مسائل کا استنباط کرتا رہا اور اس رات میں نے ہزار سے زیادہ مسائل کا استخراج کیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " یہ سن کر میں نے اپنی شب بیداری پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شب بیداری کو ترجیح دی۔ "

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو علم کیلئے ہی پیدا کئے گئے تھے علم کی تحصیل میں مسلسل محنت اور ہر وقت کی مشغولیت کی وجہ سے علم انکی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اس سلسلے میں ان کے عجیب عجیب واقعات ملتے ہیں، یہاں سب کا استقصاء مقصود نہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بسا اوقات علمی انہماک کی وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سلام کے جواب میں دعا کرنے لگ جاتے، اور اپنے گھر کے مرغ کو صرف اس وجہ سے ذبح کرا دیا تھا کہ اسکی وقت بے وقت کی بانگوں کی وجہ سے امام انکے کے مطالعہ کی یکسوئی میں خلل پڑتا تھا۔

امور خانہ داری سے یکسر جدا رہتے، اور اس کام کیلئے وکیل مقرر کر رکھا تھا گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ دنیوی ضروریات کے سلسلے میں مجھ سے گفتگو نہ کی جائے کہ اس سے ذوق علمی متاثر ہو [illegible] علم و فن میں بالخصوص فقہ میں امامت کے مقام تک پہنچ چکے تھے

اس وقت بھی انکی محنت اور علمی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ گرمی کے ایام میں رات کو قمیص اتار دیتے، پانی ساتھ رکھتے، جب ذرا سستی ہونے لگتی تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بدن پر مارتے پھر نئے نشاط کے ساتھ مطالعہ وتحریر میں مصروف ہو جاتے، انکی اس محنت اور جفاکشی وزحمت کشی پر ترس کھاتے ہوئے کسی ہمدرد نے کہا کہ آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں کہ رات کو سوتے بھی نہیں تو انہوں نے عجیب جواب ارشاد فرمایا:

"کیف أنام وقد نامت اعین المسلمین توکلا علینا ویقولون اذا وقع لنا أمر رفعنا الیه فیکشفه لنا فاذا نمت ففیه تضییع الدین"

"میں کیسے سوسکتا ہوں جبکہ عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کر کے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ یا نیا مسئلہ پیش آئے گا تو ان کے پاس لے جائیں گے، وہ اس کو حل کر دیں گے، اگر میں سو رہوں تو اس میں دین کا ضیاع ہوگا۔"

(مناقب کردری ص ۴۳۶)

جب اس طرح سے اپنے آپ کو علم کیلئے کھپا دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ لذت علم کی نعمت سے نوازتے ہیں جو ساری لذتوں سے الذ اور فائق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا تھا چنانچہ ان کا مشہور مقولہ ہے۔

" لذات الافکار خیر من لذات الا بکار "

کہ علم کی گہرائیوں میں محو فکر رہنے کی لذتوں کے سامنے دوشیزاؤں کی لذتیں ہیچ ہیں۔ مطالعہ میں ان کے شغف کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ کپڑے میلے ہو جاتے انکو تبدیل کرنے کی طرف توجہ نہ ہوتی گھر والے کپڑے تبدیل کرواتے۔

ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ گھر میں نانا جان یعنی امام محمد کے کیا معمولات تھے میری والدہ نے بتایا:

"لخت جگر! خدا کی قسم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کمرے میں بیٹھے رہتے ان کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا، ان کا مشغلہ صرف کتب

بنی، مطالعہ، تحریر و تصنیف تھا، کسی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے،
ان سے کوئی لفظ نہیں سنا گیا اگر کچھ کہنے کی ضرورت پڑتی تو ابروں
یا انگلی کے اشارہ سے کرلیا کرتے تھے۔"

(حیرت انگیز واقعات ص ۱۴۸)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے اپنی پوری زندگی علم حدیث کے لئے وقف کردی

دنیا میں چند ہی ایسے افراد گزرے ہیں، جنہیں قدرت نے غیر معمولی حافظہ عطا کیا ہے۔ ان میں ایک نامور محدث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جنہیں تقریباً دس لاکھ حدیثیں مع ان کے راویوں اور ان کے شجروں کے یاد تھیں اور ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں۔ ان کی "صحیح بخاری" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی عظیم ترین اور مصدقہ ترین تصنیف ہے، جسے بیشتر علماء، اسلامی کتب میں قرآن پاک کے بعد دوسرے نمبر پر جگہ دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیش آئمہ کی آرزو، اساتذہ کا فخر اور معاصرین کے لئے سراپا رشک تھے۔ ان کے زمانہ میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا فن حدیث میں چرچا تھا لیکن جب آسمان علم حدیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سورج طلوع ہوا تو تمام محدثین رحمۃ اللہ علیہ ستاروں کی طرح چھپتے چلے گئے۔ صحیح مجرد میں سب سے پہلے انہوں نے مجموعہ حدیث پیش کیا اور پھر کتب صحاح کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

نام ونسب

سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ، مجوسی تھے اور اسی مجوسیت پر ان کا انتقال ہوا، ان کے صاحبزادے مغیرہ پہلے شخص ہیں، جو امیر بخارا ایمان جعفی کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے، اسی نسبت سے امام موصوف جعفی مشہور ہوگئے۔ ورنہ جعفی خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۵۰)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''امام موصوف کے دادا ابراہیم کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہوسکے۔'' (مقدمہ فتح الباری ص ۱۷) البتہ امام بخاری کے والد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں طبقہ اربعہ کے مشہور محدث شمار کیے گئے ہیں، ان کے شیوخ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں، لیکن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میرے والد اسماعیل نے حماد بن زید کو دیکھا کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور انہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سماع حاصل ہے۔'' اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ (لامع الدراری ص ۴۰ بحوالہ تہذیب الکمال)

پیدائش وابتدائی حالات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۳/شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا ہی میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بن ابراہیم بڑے ثقہ اور ذی علم محدث تھے۔ انہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علم سے استفادہ کا موقع حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابومعاویہ رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث روایت کی تھیں۔ اور خراسان کے نامور محدث اور عالم حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی علمی مجالس میں ان کا اٹھنا بیٹھنا رہا تھا۔

علم کے گہرہائے آبدار کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بن ابراہیم عمل کے بھی شہسوار تھے۔ ان کی زندگی ایک سچے اور پکے مسلمان کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ ان کی نیک نفسی اور تقویٰ کی بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور کے ایک محدث احمد بن حفص رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں ''اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ہے کہ اس دور کے ایک محدث احمد مال کی بہت بڑی مقدار چھوڑ کر جارہا ہوں الحمد للہ کہ اس میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں۔''

حضرت اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، لیکن اس وقت آپ کے صاحبزادے محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت چھوٹے تھے۔ جن کی تربیت اور

پرورش کی تمام ذمہ داریاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ پر آ پڑیں۔ وہی محمد رحمۃ اللہ علیہ جنہیں بڑے ہو کر اپنے پیارے والد محترم کا نام روشن کرنا تھا، ایک امت کو اپنے بے پناہ علم سے بہرہ ور کرنا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا وہ عظیم مجموعہ مرتب کرنا تھا جو آج صحیح بخاری کے نام سے گھر گھر موجود ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قادر مطلق نے ننھے محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی تھی، یہ ذمہ داری ایک بڑی آزمائش کی صورت میں بدل گئی۔ جن ننھے محمد رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں کوئی خرابی ہوگئی۔ طبیبوں نے علاج کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حسین دنیا کو دیکھنے سے محروم ہو گئے۔ ننھے محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، پھول سا بچہ اب ماں کو دیکھ نہ سکتا تھا، صرف ماں کی شفقت بھری آغوش کو محسوس کر سکتا تھا۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ دل شکستہ ضرور تھیں لیکن اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہرگز نہیں تھیں۔ وہ اپنے نابینا بچے کو دیکھتیں تو بے اختیار اپنے پروردگار کو پکار اٹھتیں، جو ہر شے پر قادر ہے۔ اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہو جاتیں اور اپنے معصوم بچے کی بینائی کی بحالی کے لئے رو رو کر دعائیں مانگا کرتیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت مہربان و رحیم ہے، وہ اپنے بندوں کی پکار ہمیشہ سنتا ہے، کائنات کے خالق نے کمسن محمد کو ان کی بصارت لوٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک رات محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے مخاطب ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ''تمہارے رونے اور دعا کرنے سے اللہ نے تمہارے بیٹے کی آنکھیں درست کر دی ہیں۔''

آنے والی صبح اپنے ساتھ خوشیاں لے کر آئی۔ ننھے محمد نے بیدار ہو کر آنکھیں کھولیں تو دنیا اپنے تمام تر حسن و جمال کے ساتھ ان کی نظروں کے سامنے تھی۔ وہ اب ہر شے کو دیکھ سکتے تھے۔ شفیق و محترم ماں اور مسرور و شادمان بہن اور بھائی کا دیدار کر سکتے تھے۔ والدہ محترمہ اللہ کی اس عنایت پر رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ بچے کی بصارت بحال ہونے کے بعد اب انہوں نے اسے حصول علم کے لئے بخارا کے نامور محدثین اور علماء کرام کے پاس بھیج دیا۔

محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کمسنی ہی میں بلا کے ذہین تھے اور آپ کی یادداشت غضب کی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بخارا کے بلند پایہ محدثین محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن یوسف بیکندی رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم بن الاشعث رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ صرف ایک سال کے عرصہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ احادیث کا بڑا حصہ اسناد کے ساتھ حفظ کر چکے تھے لیکن حدیثیں جاننے کی پیاس تھی کہ بڑھتی جاتی تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث کی مجالس میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا۔

ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ استاد محترم علامہ داخلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک تھے۔ علامہ داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ اچانک ننھے محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر ادب سے عرض کیا کہ ''حدیث کی سند اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ نے بیان فرمائی ہے'' گیارہ سال کے بچے کی یہ بات سن کر علامہ داخلی رحمۃ اللہ علیہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے اصل کتاب نکال کر دیکھی تو ننھے محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو درست پایا۔ علامہ داخلی رحمۃ اللہ علیہ اس بچے کی غیر معمولی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے اور کتاب میں خود اس بچے کے قلم سے تصحیح کروائی۔

محمد بن اسماعیل سولہ برس کے ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں کو حفظ کر چکے تھے۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ستر ہزار احادیث یاد تھیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فوراً بتا سکتے تھے کہ یہ ستر ہزار احادیث کن صحابی یا تابعی سے روایت کی گئی ہیں اور روایت کرنے والے کی جائے سکونت، جائے وفات اور دیگر حالات کیا ہیں؟ یہ وہ دور تھا جب مسند خلافت پر مامون الرشید فائز تھے۔ اسلامی مملکت وسیع ہو رہی تھی۔ نئے علاقے فتح ہو رہے تھے اور محدثین کرام دور دور کے علاقوں میں پھیل چکے تھے تاکہ نئے مسلمان ہونے والے افراد کو علم سکھا سکیں۔

محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے اہل علم اور اساتذہ کرام سے حصول علم کر چکے تھے۔ اب انہوں نے دوسرے علاقوں میں جا کر علم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ حدیث یا اس کی اعلیٰ سند حاصل کرنے کے لئے جو سفر کیا جاتا ہے اسے محدثین کی اصطلاح

میں ''رحلت'' کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین رحمۃ اللہ علیھم نے اس طرح کے سفر بہت کئے ہیں۔

سب سے پہلا سفر

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا پہلا سفر، سفرِ حج تھا جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ محترمہ اور بھائی کے ساتھ ۲۱۰ھ مطابق ۸۲۶ء میں کیا۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید تحصیل علم کی خاطر مکہ مکرمہ میں ٹھہر جانے کا فیصلہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ اور بھائی واپس بخارا چلے گئے۔

اس زمانہ میں امام ابوالولید احمد بن الارزنی رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن سالم رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر عبدالستار بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ کے نامور علماء کرام میں شمار ہوتے تھے۔ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علم سے خوشہ چینی کی اور ۲۱۲ھ مطابق ۸۲۷ء میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جہاں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم بن المنذر رحمۃ اللہ علیہ، مطرف رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ، ابوثابت رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن عبیداللہ اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بن حمزہ جیسے بلند مرتبت محدثین درس دے رہے تھے۔ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام محدثین کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے عطا کئے ہوئے علم کے موتی اپنے دامن میں سمیٹ لئے۔

سب سے پہلی تالیف ۱۸ سال کی عمر میں

اپنی عمر کے اٹھارھویں برس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "قضایائے الصحابہ وتابعین" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ آپ کی سب سے پہلی تالیف تھی۔ اسی سال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''التاریخ الکبیر'' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اس کتاب کا مسودہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھا۔

۴۰ ہزار راویوں کے نام فہرست

تاریخ الکبیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، تابعین رحمۃ اللہ علیھم، تبع تابعین رحمھم اللہ علیھم

حدیث کے چالیس ہزار راویوں کے اسمائے گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے درج کئے گئے ہیں۔ اگر کہیں ایک نام کے چند حضرات کا ذکر اکٹھے آیا ہے تو ان کے والد کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب قائم فرما دی گئی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تاریخ الکبیر" میں کوئی ایسا نام نہیں جس کے متعلق مجھے کوئی واقعہ یاد نہ ہو لیکن طوالت کے خوف سے یہ واقعات درج نہیں کئے کہ یہ کتاب نہیں رہے گی بلکہ کتب خانہ بن جائے گی۔

مختلف ممالک کا طویل سفر

مدینہ منورہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ بصرہ تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر معمولی حافظہ کا بڑا چرچا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بصرہ پہنچتے ہی لوگ جوق در جوق آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے آنے لگے۔ اس وقت بصرہ میں بڑے بڑے محدثین اور علماء کرام موجود تھے۔ جن میں ابو الولید الطیالسی رحمۃ اللہ علیہ، صفوان بن عیسٰی رحمۃ اللہ علیہ، ابو عاصم النبیل رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن عرعرہ رحمۃ اللہ علیہ، سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء شامل تھے۔ بصرہ کے شیوخ نے بخارا کے نوجوان عالم محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر ایک علمی مجلس کا اہتمام کیا۔ اس مجلس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث بیان کیں۔

بصرہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی سفر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ اور بغداد لے گیا۔ بغداد اس دور میں خلافت عباسیہ کا دارالحکومت تھا اور وہاں علوم وفنون کو زبردست ترقی دی گئی تھی۔ کوفہ میں عمر بن حفص رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن حفص رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن ابان رحمۃ اللہ علیہ، خالد بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔ تحصیل علم کا شوق اب آپ کو کشاں کشاں بغداد لے آیا جہاں فقہ کے مشہور امام حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، شریح بن نعمان رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن عیسٰی الصباغ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن سائق رضی اللہ علیہ درس دینے میں مصروف تھے۔ بغداد سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شام کی راہ لی اور وہاں حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ بن شریح، حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ، آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ، ابو نصر اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور یوسف فریابی رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث کا درس لیا۔

اس کے بعد مصر میں یحییٰ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، احدم بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن ابی مریم اور سعید بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا۔ غرضیکہ حدیث سننے کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کل عالم اسلام کا سینکڑوں میل طویل سفر کیا۔ اس مبارک سفر کے نتیجے میں سولہ سال کا ایک نوجوان حدیث کے ایک رفیع الشان اور عظیم المرتبت امام کی حیثیت سے ابھرا۔ جنہیں دنیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''میں نے استفادۂ حدیث کے لئے مصر و شام کا دو دفعہ سفر کیا۔ چار دفعہ بصرہ اور چھ بار حجاز گیا اور شمار نہیں کر سکتا کہ محدثین کے ساتھ کتنی مرتبہ کوفہ اور بغداد گیا۔'' بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور جب بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد جا کر وہاں سے لوٹنے کا ارادہ کرتے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش ہوتی کی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے واپس نہ جائیں۔

حیرت انگیز اور فقید المثال حافظہ

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو انتہائی حیرت انگیز اور فقید المثال حافظے سے نوازا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تین لاکھ احادیث یاد تھیں۔ مختلف محدثین اور علماء کرام نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حافظے کا بار بار امتحان لیا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کا مضمون دوسری حدیث سے ملا دیا ہو، کسی راوی یا حوالے میں کوئی غلطی کی ہو۔ حتیٰ کہ انہیں جس ترتیب سے سنانے کو کہا جاتا تھا وہ اسی ترتیب سے سنا سکتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) کے قریب ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے سفر کا آغاز ۲۱۰ھ سے ہوا، انہوں نے سماع حدیث کیلئے دور دراز مقامات کا سفر کیا، شام، مصر اور جزیرہ میں دو بار تشریف لے گئے، اور حجاز مقدس میں چھ سال قیام فرمایا، کوفہ و بغداد جو علماء کا مرکز تھا، بار بار گئے، اور بصرہ میں چار مرتبہ جانا ہوا، اور بعض دفعہ پانچ پانچ سال تک قیام کیا، ایام حج میں مکہ معظمہ چلے جایا کرتے تھے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

امام موصوف آٹھ مرتبہ بغداد آئے اور ہر مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے قیام پر اصرار کرتے تھے۔" (ارشاد الساری ص ۳۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بہت کم روایت کی ہے، اس کی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اس لئے کہ اخیر سفر میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرنا بہت کم کر دیا تھا۔ (مقدمہ لامع ص ٦ بحوالہ فتح الباری) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے سماع حدیث ۲۰۵ھ میں شروع کیا اور اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد ۲۱۰ھ سے انہوں نے سفر کا آغاز کیا، اس سلسلہ میں نیشاپور کا بھی سفر کیا اور وہاں بھی کچھ دنوں مقیم رہے تھے۔"

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲)

ایک ہزار شیوخ کی ایک ہزار احادیث سنانا

ایک بار بلخ تشریف لے گئے وہاں لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنے شیوخ (اساتذہ) کی ایک ایک روایت بیان فرمائیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار احادیث اسی وقت بیان کر دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لے گئے تو اہل بغداد نے ان کا امتحان لینا چاہا۔ انہوں نے دس محدثین کو منتخب کیا اور ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی اس مجلس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا۔ باری باری ہر محدث نے دس دس حدیثیں سنائیں لیکن جان بوجھ کر ہر حدیث کی سند اور متن میں کچھ تبدیلی کر دی اس طرح سو "احادیث آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کی گئیں۔ ہر حدیث کے جواب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہی کہتے رہے "مجھے معلوم نہیں۔"

محدثین کا انوکھا امتحان

جب تمام احادیث بیان ہو چکیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہنا شروع کیا۔ انہوں نے پہلے محدث کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا "آپ نے سب سے پہلے یہ حدیث بیان کی جو یوں تھی۔" پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "آپ نے حدیث کے بیان میں یہ

غلطی کی اور سند میں یہ بات درست نہ تھی اصل حدیث یہ ہے" اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب وار سو کی سو احادیث بیان فرما دیں۔ پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ محدث کی بیان کردہ حدیث اور اس کی سند بیان فرماتے۔ اس کے بعد درست متن اور سند کے ساتھ وہی حدیث بیان کر دیتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر محدث کی بیان کردہ احادیث کو صرف ایک بار سنا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ امام بخاری کے حافظے میں نقش ہو گئی ہوں۔

ایک بار سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے۔ انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہفتہ تک امتحان لیا۔ کئی احادیث کی اسناد بدل بدل کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیں لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث صحیح متن اور درست سند کے ساتھ بیان کر دی اور کسی مرحلے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ مغالطے کا شکار نہ ہوئے۔

غیر معمولی حافظہ

امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نہایت قوی الحافظہ تھے، استاذ سے جو حدیث بھی سنتے فوراً زبانی یاد ہو جاتی، کہا جاتا ہے کہ بچپن میں ان کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں، جس کتاب پر ایک نظر ڈال لیتے تھے، وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی۔

ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں محمد بن السلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا، انہوں نے فرمایا کہ "اگر تم کچھ دیر پہلے آ گئے ہوتے تو میں تمہیں ایک ایسا بچہ دکھاتا جس کو ستر ہزار حدیثیں زبانی یاد ہیں۔"

(مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۴)

جب ہم ان کی قوت حافظہ کے کارنامے صفحات تاریخ پر دیکھتے ہیں تو یوں گمان ہوتا ہے کہ جیسے وہ سر سے پیر تک حافظہ ہوں۔ ان کے حافظہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حاشد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لڑکپن میں ہمارے ساتھ حدیث کے سماع کے لئے مشائخ بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا ہم تمام ساتھی احادیث ضبط تحریر میں لے آتے تھے، سولہ دن گزر جانے کے بعد ایک روز ہمیں خیال آیا اور ہم نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے احادیث ضبط نہ کر کے اتنے دنوں کی محنت ضائع کر دی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے کہا، اچھا تم اپنے ضبط شدہ نوٹ لے آؤ، ہم اپنے اپنے نوٹ لے کر آئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ وار احادیث بیان کر ڈالیں اور یہ سن کر ہمیں یوں گمان ہوتا تھا کہ گویا روایات ہمیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھوائی ہیں۔

محمد بن ازہر سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سماع حدیث کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ میں احادیث لکھتا تھا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہیں لکھتے تھے۔ کسی نے مجھ سے کہا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ احادیث نوٹ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا، تم سے کوئی حدیث اگر لکھنے سے رہ جائے تو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ سے لکھ لینا۔

محمد بن حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم فریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے کہا: ''حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزہ ''اس سند میں سفیان کے علاوہ باقی تمام راویوں کی کنیت ذکر کی گئی تھی۔ فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے ان راویوں کے اصل نام پوچھے۔ تمام مجلس پر سکتہ چھا گیا اور کسی کو بھی ان کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا، بالآخر سب کی نظریں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اٹھیں اور انہوں نے کہنا شروع کیا، ابوعروہ کا نام محمد بن راشد رحمۃ اللہ علیہ ہے اور ابولخطاب کا نام قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ ہے اور ابوحمزہ کا نام انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ ہے، جیسے ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسماء بیان کئے تمام حاضرین مجلس دم بخود ہو کر رہ گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ ''مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور اس جامع کو میں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔'' (مقدمہ ارشاد الساری ص ۲۹۰) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جس وقت بغداد تشریف لائے تو وہاں کے محدثین نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سو احادیث کے متن اور سندوں میں الٹ پھیر کر کے دس آدمیوں کے حوالہ کیا کہ ہر شخص ان میں سے دس دس حدیثیں اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کرے۔

شہر کے بہت سے لوگ اس کو دیکھنے کیلئے جمع ہوئے، پھر ان محدثین نے حدیثیں پیش کیں، ہر مرتبہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ ''لا ادری'' ہی فرماتے رہے، جب سب لوگ حدیثیں پیش کر چکے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر متن کو اس کی اصلی سند اور ہر سند کو اس کے اصلی متن کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنایا، لوگ سن کر دنگ رہ گئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کا ان کو لوہا ماننا پڑا، ''فأقر الناس له بالحفظ واذعنوا له بالفضل .''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں کہ صحیح وغلط میں امتیاز کر دیا۔ کمال یہ کہ ان لوگوں نے جس ترتیب سے روایات کو غلط شکل میں پیش کیا تھا، اس کو بھی بیان کر دیا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۵ وفتح المغیث ص ۱۱۶)

انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین نے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کمال حفظ کے متعلق لکھا ہے: ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ واستحضار اس غضب کا تھا کہ معاصرین أئمہ تک کو وہ ایک کرامت نظر آتا تھا۔'' (جلد چہارم ص ۴۴۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

ابو یعقوب جو بویطی کے نام سے مشہور ہیں، مصاحب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہم میں ان کا وہی درجہ تھا جو دانہ ہائے تسبیح میں امام کا ہوتا ہے۔ استاد کی زندگی ہی میں ممتاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد منبر درس و مسند فتویٰ انہیں سے مزین ہوئی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم بن اسحٰق حربی، قاسم بن مغیرہ جوہری اور احمد بن منصور رمادی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

واثق باللہ کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن کیلئے ان کو کہا گیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قید کر کے بغداد میں لائے گئے اور قید ہی میں بند حیات سے آزاد ہوئے۔ نہایت عابد متنسک، صالح اور زاہد تھے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے بویطی کو دیکھا۔ گردن میں طوق تھا، پاؤں میں بیڑی۔ بیڑی اور طوق کے درمیان بیس سیر پختہ کی ایک زنجیر آہنی پڑی ہوئی تھی جو گردن کو جھکائے رکھتی۔ خچر پر لئے ہوئے سپاہی لے جا رہے تھے اور وہ بآواز بلند کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کُن کے ساتھ پیدا کیا۔ پس اگر کُن بھی جو کلام الٰہی ہے، مخلوق ہے تو گویا کل مخلوقات ایک مخلوق کی مخلوق ہے۔ بخدا میں طوق و زنجیری میں مرجاونگا تاکہ لوگوں کو خبر ہو جائے کہ ایسے مسئلہ کیلئے طوق و زنجیر میں مرنا پسند کیا گیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر میں واثق باللہ کے سامنے پہنچا تو وہ میری بات کو ضرور مان لیگا۔

کہتے ہیں کہ ابتلاء و محنت میں اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہم میں سے صرف یہی گرفتار ہوئے تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پہلے ہی خبر بھی دیدی تھی۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں اور مزنی اور بویطی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہماری طرف دیکھ کر فرمایا، ربیع تو طلب حدیث میں فوت ہوگا۔ بویطی رحمۃ اللہ علیہ زنجیر و قید میں وفات پائیگا اور مزنی کے ساتھ اگر شیطان بھی مناظرہ کرنے آئے تو یہ اسے قطع کر دے۔

ابو اسحٰق شرازی طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ بویطی رحمۃ اللہ علیہ جب بند تہہ خانہ میں اذان جمعہ سنتے تو غسل کرتے۔ کپڑے بدلتے اور زنداں کے دروازہ تک جاتے۔ داروغہ پوچھتا کہاں؟ کہتے داعی ربانی پکار رہا ہے۔ میں ادھر حاضر ہوتا ہوں۔ وہ کہتا نہیں

ہٹ کر بیٹھو۔ بویطی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہوئے لوٹ جاتے الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے حکم کو مانا اور انہوں نے مجھے جانے سے روکا۔ ابوالولید کہتے ہیں میں بویطی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلو نشین تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلتی، ان کو نماز پڑھتے ہی دیکھا یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف پایا۔

ربیع کہتے ہیں کہ بویطی رحمۃ اللہ علیہ کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک خاص درجہ تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو فرما دیتے کہ بویطی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کرو۔ اگر وہ کہتا کہ انہوں نے یوں بتلایا ہے تو فرما دیتے کہ صحیح ہے۔ بسا اوقات حاکم شہر فتویٰ دریافت کرتا تو آپ بویطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرما دیتے کہ یہ میری زبان ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے دلائل پیش کرنے والا میں نے بویطی رحمۃ اللہ علیہ کا سا کوئی نہیں دیکھا۔ ان کے ہونٹ ذکر الٰہی سے ہمیشہ جنباں تھے۔

ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم کہتے ہیں۔ والد بزرگوار نے مجھے خواب میں فرمایا، بیٹا کتاب بویطی رحمۃ اللہ علیہ کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ جملہ کتب میں سے اسی میں خطا کم ہے۔ (اس وقت تک صحیحین کی تدوین نہ ہوئی تھی)۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں جیل خانہ میں بویطی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے گیا۔ ان کی نصف ساق تک لوہا ہی لوہا تھا اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے جیل خانہ سے میرے پاس لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر بعض وقت ایسے گزر جاتے ہیں جب طوق و زنجیر کا وزن ذرا بھی مجھ کو معلوم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ لوہے کو ہاتھ سے چھوڑ کر دیکھا کرتا ہوں۔ ربیع جب تم کو یہ خط ملے اہل حلقہ کیساتھ خوش اخلاقی کی عادت پیدا کرو اور غرباء و مساکین کے ساتھ خصوصیت سے بھلائی کرو۔ کیونکہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

اهين لهم نفسی لا کر مهم لها ولن تکر م النفس التی لا تهینها

اس امام کا انتقال ۲۳۱ھ بحالت قید و زنداں بغداد میں ہوا۔ بویط مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے بویطی اس کی جانب منسوب ہیں۔ اس بزرگوار نے استقلال اور صبر و مصائب سے یہ ثابت کر دیا کہ تعلیم محمدیہ نے کیسے علماء کو پیدا کیا تھا اور دین محمدیہ کی اشاعت کو اہل علم نے کیسی محنتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے دنیا میں پھیلایا۔ خداوند کریم اس وقت کے علماء کو بھی اس صفت کا ادنیٰ حصہ نصیب کرے۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

بربر کے قبیلہ معمورہ میں سے ہیں۔ قرطبہ میں سکونت اختیار کی۔ علماء سے تحصیل علوم کر کے ۲۸ سال کی عمر میں مغرب کا سفر کیا۔ مصر میں لیث بن سعد عبدالرحمٰن بن وہب اور عبدالرحمٰن بن قاسم سے، مکہ میں سفیان بن عیینہ سے استفادہ کرتے ہوئے مدینہ میں امام مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام لک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو عاقل اہل اندلس کا خطاب دیا تھا۔

ان کے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے باہر سے آکر کہا ہاتھی آیا، ہاتھی آیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا، اس لئے سب آدمی ہاتھی دیکھنے کے واسطے باہر چلے گئے۔ یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس میں بھی نہیں ہوتا پھر کیوں تم باہر نہ گئے کہا، جناب میں مغرب سے چل کر یہاں تک اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا کروں اور جناب کی عمدہ خصائل وعادات کو سیکھوں۔ میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ ایسی علم خیز مجلس کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھا کروں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو پسند کیا اور انہیں ''عاقل اہل الاندلس'' کا خطاب دیا۔

تعلیم پانے کے بعد جب اندلس کو لوٹ کر گئے تو وہاں رئیس العلماء تسلیم کئے گئے۔ امام مالک کا مذہب اس ملک میں ان ہی کیوجہ سے پھیلا اور خود ان سے بے حد وشمار خلقت نے علمی فائدہ اٹھایا اور خلق کثیر نے روایت احادیث کی۔ چنانچہ موطا کی جملہ روایتوں میں سے زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یحییٰ بن یحییٰ ہی کی روایت ہے۔ یہ فاضل اپنی فضیلت وامامت کے ساتھ امرائے وقت کی نگاہوں میں جلیل القدر تھے حالانکہ انہوں نے اپنے زہد اور ترک دنیا اور اشغال علوم کیوجہ سے کوئی منصب، سلطنت میں منظور نہیں کیا۔ تاہم ان کا اعزاز واکرام شاہی دربار اور امراء کبار کے ہاں بڑے بڑے فاضلوں سے بڑھ کر تھا۔

احمد بن ابوالفیاض لکھتے ہیں کہ میں امیر عبدالرحمٰن اموی سلطان اندلس کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلطان نے فقہاء کو طلب کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ کہا، میں حالت روزہ میں

اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو گیا ہوں۔اس وقت غلبہ محبت میں نفس رک نہیں سکا۔ اب نادم ہوں۔صورت توبہ کیا ہے؟ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔یحییٰ کے بعد پھر کسی فقیہہ کی جرأت نہ پڑی جو آگے کچھ بولتا۔جب دربار۔سے باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہ دیا؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو کفارہ کی تینوں صورتیں برابر ہیں۔خواہ کوئی روزہ رکھے۔خواہ غلام آزاد کردے۔خواہ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔کہا،اگر ہم سلطان کیلئے بھی دروازہ کھول دیں تو اس کے لئے ایک معمولی بات ہو جاویگی کہ اس طرح روزمرہ روزہ توڑ لیا کرے اور غلام آزاد کر دیا کرے۔یا کھانا کھلا دیا کرے۔اس لئے میں نے اس کے لئے وہ صورت تجویز کی جو نہایت سخت ہے اور جس میں اس کے نفس شہوانی کی اصلاح مقصود ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مدینہ سے تعلیم پا کر واپس وطن کو جاتے ہوئے مصر پہنچے تو وہاں عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس ایک تصنیف دیکھی جس کو انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہی حاصل کیا تھا۔ان کو شوق ہوا کہ یہ حصہ بھی خاص استاد سے ہی حاصل کروں۔ وہاں سے پھر لوٹ کر مدینہ آئے۔استاد کو مرض الموت میں بیمار پایا۔بیماری میں خدمت کرتے رہے اور نماز جنازہ کے بعد واپس آئے،محمد بن عمر کا قول ہے کہ فقیہہ اندلس تو عیسےٰ بن دینار اور عالم اندلس عبدالملک بن حبیب اور عاقل اندلس یحییٰ بن یحییٰ ہے۔ احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے،اس وقت سے لیکر آج تک جو عزت و عظمت یحییٰ کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔ ابن نشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوۃ تھے اور نشست و برخاست اور عادات واطوار میں انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے آپ کو نمونہ بنا رکھا تھا۔

یحییٰ خود بیان کرتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ چلا۔ ان کے غلام نے مجھ ہٹانا چاہا۔انہوں نے فرمایا کہ مت ہٹاؤ۔پھر فرمایا یحییٰ!اہل علم اسی طرح تیری خدمت کرینگے۔چنانچہ وہی دیکھ لیا۔انہوں نے ۲۲ رجب ۲۲۴ھ کو وفات پائی۔قرطبہ کے باہر مدفون ہوئے۔ان کی قبر پر دعاء استسقاء کی جاتی تھی۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ابو حامد کنیت۔ محمد بن محمد بن الغزالی نام، حجۃ الاسلام زین الدین لقب ہے۔ غزالی ضلع طوس میں ایک گاؤں ہے وہاں پیدا ہوئے اور خاص شہر طوس میں احمد راذ کانی سے تعلیم پاتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر نیشا پور میں امام الحرمین ابو المعالی کی خدمت میں جملہ علوم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی صاحب تصنیف اور فتویٰ ہو گئے تھے اور بسا اوقات امام الحرمین اس فاضل شخص کے شاگرد ہونے کو اپنے لئے مایہ ناز بتاتے تھے۔

استاد کے انتقال کے بعد وزیر نظام الملک سے جا کر ملے۔ اس نے حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ دوران قیام وزیر کے سامنے متعدد فاضلوں کے ساتھ مختلف علوم میں مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ ہر ایک جلسہ میں غلبہ انہی کو حاصل ہوتا تھا۔ انہی مباحثات کی وجہ سے ان کا ذکر تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔

جمادی الاول ۴۸۴ھ کو مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں ذیقعد ۴۸۸ھ تک درس دیتے رہے۔ ان کے طرز تعلیم اور قوت تقریر و کثرت معلومات وتوضیح مشکلات کو دیکھ دیکھ کر تمام عراق دنگ تھا۔ مدرسہ کے علماء کے علاوہ چار پانچ سو علماء ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ۴۸۸ھ میں مدرسہ سے مستعفی ہو کر زہد وانقطاع الی اللہ اختیار کیا اور حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آکر دس سال تک جامع دمشق میں معتکف رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کو چلے گئے۔ جہاں نہایت ہی زہد کیساتھ حد درجہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ وہاں سے یوسف بن تاشفین سلطان مراکو کی ملاقات کیلئے مصر وارد ہوئے۔ بلاد مغرب کا سفر بحری راستہ سے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ سلطان مذکور کی وفات کی خبر مصر میں ہی مل گئی وہاں سے اپنے وطن کو لوٹ کر قیام پذیر ہوئے۔ ایک دفعہ پھر نیشا پور میں حسب الطلب گئے اور کچھ عرصہ تک نظامیہ میں ان کو چار سو اشرفی ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ وطن آکر اپنے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو صوفیہ کے لئے خانقاہ بنایا اور دوسرے حصہ کو مدرسہ۔ اپنے اوقات کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی (۱) تلاوت قرآن مجید (۲) مجالس اہل دل (۳) تدریس و تصنیف۔

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں مذہب فلاسفہ اور ان کی مخالفت از اسلام کا ذکر لکھ کر کہتے ہیں: "خداوند کریم نے ایک ایسا طائفہ عاصمہ بھی نکالا جو تسخیر ربانی اور تائید الٰہی سے رد فلاسفہ میں مصروف ہو گیا۔ یہ لوگ طرز فلاسفہ یا مصطلحات فلاسفہ میں درس نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے گروہ مبتدعہ کے دلائل کو توڑتے تھے۔ فلسفی جن کی عقول پر بطلان کے پردے پڑے تھے اس رد کو ہنسی اور قہقہہ میں اڑاتے اور ان کے دلائل پر جرح وقدح کیا کرتے تھے اور اپنے رد لکھنے والوں کو جاہل، بے تمیز قرار دیا کرتے تھے جب ان کا غرور وتکبر بڑھ نکلا تب اللہ تعالیٰ نے انہی کی لغت واصطلاحات میں گفتگو کرنے، انہی کے دلائل کو ان پر لوٹا دینے اور انہی کی اصطلاحات سے ان کا سر اڑا دینے کیواسطے ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ جنہوں نے انہی کے قول سے ان کو جھٹلایا اور انہی کی چھری کو انہی کی گردنوں پر چلایا۔ چنانچہ اس بارے میں تہافتہ الفلاسفہ ایک عجیب کتاب ہے۔ قطاس ان کی دوسری کتاب ہے جس میں قرآن مجید سے اسی ترتیب دلائل کا استخراج کیا ہے جو استخراج دلائل کیلئے فلسفیوں نے قوانین قرار دیئے تھے۔ معیاد العلم انکی ایک اور کتاب ہے جس میں منطق کو امثلہ فقہیہ وکلامیہ کیساتھ ملایا ہے اور فلسفہ کو زندہ کر دینے کے ساتھ ہی کوئی مثال یا مثل نہیں ایسا باقی چھوڑا جس کے متعلق کسی فلسفی کا شبہ باقی رہ گیا ہو۔ الغرض غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود سخت تاریکیوں میں ایک گوہر شب چراغ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۵۰۵ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں طوس کے قریب دہ طائران میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے،

مُلا مصلح الدین بروسوی المعروف "خواجہ زادہ"

خواجہ زادہ کے والد یوسف بن صالح تاجر تھے اور تجارت کیوجہ سے نہایت مالدار ہو گئے۔ خواجہ زادہ کے چند بھائی تھے جو سب تجارت پیشہ تھے۔ خواجہ کا میلان طبع تحصیل علوم کی طرف تھا۔ باپ ہر چند ان کو تجارت کی طرف توجہ دلاتا اور ملا بننے سے روکتا تھا مگر ان کو تجارت کی طرف ذرا میلان نہ تھا۔ باپ نے خفا ہو کر ان کا ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا اور ان کے مقابلہ میں ان کے بھائی نہایت عیش وآرام اور خدم وحشم سے رہا کرتے۔ ایک دن انکا والد شیخ شمس الدین سے جو عارف باللہ تھے ملنے گیا۔ اولاد بھی ساتھ تھی۔ انہوں نے

خواجہ زادہ کی طرف جو میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے تھے، اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا، یہ بھی فرزند ہے۔ پوچھا، یہ اس حالت میں کیوں ہے؟ کہا، اس نے میرے طریق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے میں نے نظر سے گرا رکھا ہے۔ شیخ نے تاجر کو سمجھایا مگر ان کی نصیحت بھی کارگر نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو شیخ نے خواجہ زادہ کو قریب بلایا۔ تسلی دی اور فرمایا کہ اصل راہ یہی ہے جس پر چل تو رہا ہے۔ اطمینان رکھ خدا تجھے اس رتبہ پر پہنچائیگا کہ تیرے بھائی تیری خدمت کرینگے۔

طالب علمی میں ان کی یہ حالت تھی کہ کتاب نہ خرید سکتے تھے۔ ردی کاغذوں پر اپنا سبق کسی ہم جماعت کی کتاب سے نقل کر کے لکھ لیتے۔ اسی تنگی و ترشی کیساتھ انہوں نے معتد بہ علم حاصل کر لیا۔ پھر ابن قاضی اباتلوغ کی خدمت میں اصول و معانی و بیان کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ سلطانیہ بروسا میں حضر بک سے استفادہ کیا اور اکثر علوم کو تکمیل تک پہنچایا۔ استاد ان سے محبت کرنے لگا اور ان کو عقل سلیم سے مخاطب کرنے لگا۔ ایک روز ملا حضر بک نے ان کی سلطان مراد کے پاس سفارش کی۔ سلطان سفر کو تیار تھا۔ سردست ان کو قصبہ کسنل کا قاضی مقرر کر دیا اور سفر سے واپس ہو کر مدرسہ اسدیہ کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس درہم روزانہ تھی۔ یہاں چھ برس رہے اور تنگدستی سے گزران کرتے تھے۔ اسی جگہ انہوں نے شرح مواقف کو حفظ کر لیا تھا۔ جب سلطان محمد خان تخت نشین ہوا اور علماء نے دیکھا کہ تحصیل علم کی جانب سلطان کی توجہ ہے تو دور دور سے چل کر سلطان کے پاس پہنچے۔ خواجہ زادہ نے بھی قسطنطنیہ کا ارادہ کیا مگر بوجہ تنگدستی سامان سفر کا انتظام نہ کر سکے۔ ان کے پاس ایک ترکی خادم تھا۔ وہ کہیں سے آٹھ سو درہم قرض لے آیا۔ انہوں نے دو گھوڑے خریدے ایک اپنے لئے ایک خادم کیلئے اور قسطنطنیہ پہنچے۔

محمد پاشا وزیر سے ملے۔ اس نے کہا، تم خوب آئے۔ میں سلطان سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ میں چلتا ہوں تم بھی آ جاؤ۔ اس وقت سلطان کے سامنے بحث ہو رہی ہے۔ یہ گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ سلطان نے وزیر سے دریافت کیا، یہ کون ہے۔ کہا خواجہ زادہ۔ سلطان باخلاق پیش آیا۔ خواجہ زادہ نے دیکھا کہ سید علی اور ملا زیرک بحث کر رہے ہیں۔ یہ سید علی کیجانب ہو گئے۔ سید علی تو اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بحث انہی کے

درمیان رہ گئی۔حتیٰ کہ ملا زیرک کو انہوں نے خاموش ہونے پر مجبور کردیا اور سلطان نے بھی ان کو کہہ دیا کہ تمہاری گفتگو کچھ نہیں۔بعدازاں سلطان نے ملا زیرک وسید علی کو تو انعامات عطا فرمائے اور ان کی نسبت کچھ حکم نہ دیا۔یہ نہایت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔ خادم لڑ پڑا۔کہا میاں صاحب اگر آپ کو علم ہوتا تو سلطان آپکی بھی عزت کرتا۔نوکر نے اس روز کچھ کام نہ کیا پڑ کر سورہا۔انہوں نے گھوڑے کی خبر بھی خود لی اور پھر مغموم وحزین ہو کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

اتنے میں افسر سلطانی خواجہ زادہ کا خیمہ دریافت کرتے ہوئے کیمپ میں نظر آئے۔ان افسروں کا خیال تھا کہ دیگر عمایدکی طرح وہ بھی کسی خیمہ میں ہونگے۔لیکن ایک شخص نے انہیں بتایا کہ وہ شخص جو زیر سایہ درخت بیٹھا ہے خواجہ زادہ وہی ہے وہ آئے ان کو سلام کیا۔پوچھا خواجہ زادہ آپ ہی ہیں؟ کہا ہاں۔وہ بولے کیا سچ! بولے ہاں۔ کہا مدرسہ اسدیہ کے معلم آپ ہی ہیں۔کہا ہاں پوچھا کیا ملا زیرک کو آپ نے ساکت کیا ہے؟ کہا کہاں۔پھر تو وہ آگے آئے اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیکر کہا سلطان نے آپکو اپنا استاد مقرر فرمایا ہے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں پہلے تو میں سمجھا کہ یہ تمسخر کرتے ہیں لیکن اسی وقت میرے لئے خیمہ لگایا گیا۔سواری کیلئے گھوڑے،خدمت کیلئے خادم۔لباس کے لئے قیمتی پوشاکیں موجود کی گئیں۔گھوڑا تیار کر کے لایا کہ حضور کو سلطان المعظم کی خدمت میں چلنا چاہیے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں کہ ترک غلام اب تک سورہا تھا۔میں نے اس کو جا کر بلایا۔ کہا اٹھ اور دیکھ کہ میری کیا شان ہے۔خادم نے آنکھیں تو نہ کھولیں مگر جواب میں کہا مجھے سونے دیجئے۔میں آپ کی شان دیکھ چکا ہوں۔میں نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔وہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا کہ کیا بات ہے۔میں نے کہا کہ میں خاص معلم سلطانی ہو گیا۔خادم نے میرے ہاتھ پر بوسہ دیا اور تقصیر خدمت کی معافی کا خواستگار ہوا۔خواجہ کے پاس علاوہ دیگر سامان کے دس ہزار درہم نقد بھی خزانہ سلطانی سے آچکے تھے۔انہوں نے سب سے پہلے خادم کا قرض اتارا۔پھر سلطان کی خدمت میں گئے۔سلطان نے ان سے زنجانی پڑھی اور انہوں نے اس کی ایک شرح بھی لکھی۔ان کے تقرب کا یہ حال ہو گیا کہ وزیر بھی اس پر حسد کرنے لگا۔

ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان نے کہا وہ ہمارے پاس سے کیوں دور جانا پسند کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا معلوم نہیں مگر ان کا منشا یہ ضرور ہے۔ ادھر ان سے کہا کہ سلطان نے آپکو قاضی عسکر مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا میں پسند نہیں کرتا۔ سلطان حکم دے چکے ہیں ان کو کام سنبھالنا پڑا۔

اس وقت ان کا والد زندہ تھا جب اس نے سنا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہو گئے ہیں۔ اول تو اسے اعتبار نہ آیا اور جب صحت خبر یقینی ہوگئی تو بروسا سے اورن اقبال مند فرزند کو دیکھنے کے لئے آیا۔ ان کو خبر ہوئی تو استقبال کیلئے نکلے۔ شہر کے جملہ عمائد اور علماء وافسر بھی ساتھ تھے۔ جب تاجر کی نظر ان پر پڑی تو پوچھا کہ یہ سامنے کیسا انبوہ ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ آپ کا فرزند آپ کے استقبال کو آیا ہے۔ کہا وہ اس منصب تک پہنچ گیا؟ بولے ہاں۔ غرض جب وہ قریب پہنچے تو خواجہ زادہ گھوڑے سے اترے اور ادھر ان کے والد بھی۔ دونوں بغلگیر ہوئے۔ باپ نے عذر وتاسف کیا کہ میں نے تمہاری کچھ تربیت نہ کی۔ وہ بولے نہیں اگر آپ مجھے زر ومال عطاء فرماتے رہتے تو میں اس منصب تک نہ پہنچتا۔ انہوں نے اپنے والد کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور سلطان نے اسے شرف دست بوسی عطاء فرمایا۔ پھر خواجہ زادہ نے ایک بڑی دعوت کی جس میں جملہ اکابر وعلماء کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں اس قدر اکابر آئے کہ ان کے بھائیوں کو کمرہ میں نشست کیلئے جگہ نہ ملی۔ وہ خدام کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ زادہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ عارف باللہ شیخ شمس الدین کی دعا پوری ہوگئی۔

بعد ازیں سلطان نے ان کو مدرسہ سلطانیہ بروسہ کا اہتمام سپرد کیا۔ ان کو نہ استاد سلطان ہونے کا ناز تھا، نہ قاضی عسکر ہونے کا غرور۔ مگر اس مدرسہ کے مہتمم ہونے کا ضرور فخر کیا کرتے تھے۔ (اس سے اس مدرسہ کی وقعت کا اندازہ کرنا چاہیئے۔) اس وقت ان کو ۵۰ روپیہ روزانہ ملتے تھے اور عمر صرف ۳۳ سال کی تھی۔ یہ قاضی اونہ اور پھر قاضی قسطنطنیہ مقرر کئے گئے۔ ملا عذاری کا قول ہے کہ ان کا منصب قضا پر مامور ہوتے رہنا مصیبت پر مصیبت تھی اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے تو ان کے علم وفضل کے نتائج (تصنیفات) کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔

قسطنطنیہ میں محمد پاشا وزیر ہو چکا تھا جو سید علی کا شاگرد تھا اور اسی لئے خواجہ زادہ سے

خوش نہ تھا۔اس نے سلطان سے کہہ دیا کہ خواجہ زادہ یہاں کی آب وہوا کو پسند نہیں کرتے۔
آب وہوا ازنیق کی تعریف کرتے ہیں۔سلطان نے کہا، بہتر وہاں کی قضاء اور مدرسہ کا اہتمام
ان کے سپرد کیا جاوے۔ یہ تعمیل حکم ازنیق آ گئے۔ پھر چند روز بعد مستعفی ہو گئے اور عذر کیا کہ
اشغال علمیہ میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔ مستعفی ہو کر ایک روز محمد پاشا وزیر اعظم کو ملنے
گئے۔شہر میں جس قدر علماء اور سلطانی مدارس کے مہتمم تھے سب پا پیادہ تھے اور یہ خچر پر
سوار۔وزیر ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔مسند چھوڑ کر سامنے بیٹھ گیا۔یہ صدر میں بیٹھے۔
جملہ علماء از راہ ادب کھڑے رہے کیونکہ سب ان کے شاگرد تھے۔جب یہ واپس چلے گئے
تو وزیر نے کہا کہ میں ان کی عزت کیا کم کر سکتا ہوں جو منصب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے
علم سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان بایزید خان نے ان کو مل کر سلطانیہ بروسا کا مہتمم مقرر کر دیا تھا۔اس وقت
ان کو سو روپیہ روزانہ ملتے تھے۔یہاں کے دست راست کو کچھ آسیب ہو گیا۔اس لئے
دست چپ سے لکھا کرتے۔پھر مفتی بروسا مقرر کئے گئے۔عادت یہ تھی کہ جب تک
کتابیں نہ دیکھ لیتے ،فتویٰ نہ لکھتے ،اگر ایک مسئلہ میں دو دفعہ بھی لکھنا پڑتا تو دونوں
دفعہ کتابیں دیکھتے، کہا کرتے اگر میں سستی کرنے لگوں تو عادت تحقیق نہ رہے۔کہا کرتے
جب جواب مسئلہ مجھے کتب میں نہیں ملتا تو رائے سے جواب لکھ دیتا ہوں۔یا اگر مسئلہ کی
چند صورتیں ہوتی ہیں تو ان سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہوں اور پھر کبھی نہ کبھی لکھا ہوا مل جاتا ہے
کہ یہی اصح ہے یا اسی پر فتویٰ ہے۔کہا کرتے کہ اس فہم سلیم کیوجہ سے مجھے اپنے
معاصرین پر امتیاز ہے۔

ملا جلال الدین دورنی نے ان کی کتاب التہافہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں بھی اس بارے
میں لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے مقابلہ میں ضرور مجھے ہنسی میں اڑایا جاتا۔غرائب اتفاق
میں سے یہ ہے کہ انہوں نے حکم سلطانی سے شرح المواقف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔
مباحث الوجود کے اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا تو ملا بہاء الدین ان کے شاگرد اس مسودہ
کو صاف کرنے لگے، ان کا بھی اختتام مسودہ کے بعد انتقال ہو گیا جس لفظ پر تمام مسودہ
لا یتم المطلوب تھا۔خواجہ زادہ کہا کرتے تھے کہ مباحث علمیہ میں میرے جیسا ڈرپوک
اور کوئی نہیں۔پوچھا گیا یہ کس طرح۔کہا جب تک مطالعہ نہ کیا ہو تو میرے جیسا کوئی ڈرپوک

نہیں اور جب مطالعہ کرلوں تو میرے جیسا کوئی نڈر نہیں ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ روسیہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک تکمیل علم کے بعد قاضی کستل ہو گئے تھے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر راغب تصوف ہو گئے۔ دوسرا عنفوان شباب میں ہی اپنی بہت قابلیتوں کو لئے ہوئے خاک میں جا چھپا۔ انا للہ وانا الیہ راجعو ن

علامہ ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن عمران کہتے ہیں میں احمد بن محمد بن شجاع کی مجلس میں موجود تھا۔ انھوں نے اپنے خادم کو بھیجا کہ ابن الاعرابی کو بلالائے۔ خادم نے لوٹ کر بیان کیا کہ ''ابن الاعرابی کہتے ہیں میرے پاس کچھ عرب آئے ہوئے ہیں ان سے چھٹی پا کر آؤں گا، حالانکہ میں نے خود دیکھا اکیلے بیٹھے ہیں کتابوں کا ایک انبار سامنے لگا ہے۔ کبھی اس کتاب کو دیکھتے ہیں کبھی وہ کتاب اٹھا لیتے ہیں تھوڑی دیر بعد ابن الاعرابی آ گئے۔ ابن شجاع نے کہا، سبحان اللہ آپ نے ہمیں اپنی صحبت سے محروم رکھا اور کہلا بھیجا کہ عرب آئے ہوئے ہیں حالانکہ نوکر کہتا ہے آپ کے پاس کتابوں کے سوا کوئی نہ تھا'' اس پر ابن الاعرابی نے یہ شعر پڑھے:

لنا جلساء ما نمل حدیثھم ألباء مأمو نو ن عیبا و مشھد ا

(ہمارے ہم نشین ایسے ہیں کہ ان کی گفتگو ہمیں اکتاتی نہیں یہ لوگ دانشمند ہیں اور ہر حال میں بیضرر)

یفید و ننا من علمھم علم ما مضی وعقلا و نا دیبا و ر أ یا مسدّ د ا

(ہمارے دامن، علم وادب وعقل کی دولتوں سے بھرتے رہتے ہیں)

لا فتنہ تحشی ولا سو ء عشر ۃ ولا نتقی منھم لسا نا ولا یدا

(خود ان سے کسی فتنے، کسی بدمزگی کا اندیشہ نہیں۔ ان کی زبان اور ہاتھ سے کبھی کوئی خطرہ نہیں)

فان قلت امو ات فما انت کا ذ ب وان قلت احیا ء فلست مفند ا

(اگر کہو کہ وہ مردے ہیں تو ٹھیک ہے اور کہو زندہ ہیں تو بھی غلط نہیں)

ابو العباس احمد بن یحییٰ بن ثعلب سے کہا گیا آپ کو تو لوگوں کی صحبت سے

بالکل نفرت ہی ہو گئی ہے۔ حالانکہ اگر کبھی کبھی خلوت سے باہر نکلتے اور لوگوں سے ملتے جلتے تو وہ آپ سے فائدہ اٹھاتے اور خدا آپ کو کبھی ان سے فائدہ پہنچاتا۔" ابوالعباس کچھ دیر سر جھکائے چپ رہے، پھر یہ شعر پڑھے:

ان صحبنا الملوک تاهوا علینا واستخفو اکبر ابحق الجلیس
(ہم بادشاہوں کی صحبت اختیار کریں، تو وہ غرور و تکبر سے پیش آئیں گے)

او صحبنا التجار صرنا الی البوا س وصرنا الی عداد الفلوس
(تاجروں میں بیٹھیں تو دل کے غریب ہو جائیں گے اور روپیہ گننے کے شغل میں پھنس جائینگے)

فلزمنا البیوت نستخرج العلم ونملأ ئه بطون الطروس
(مجبوراً اپنے گھروں کے ہو گئے ہیں اور حقائق علم سے کتابیں بھر رہے ہیں)

محمد بن بشیر کے شعر بھی خوب ہیں:

لله من جلساء لا جلیسهم ولا خلیطهم للسوء مرتقب
(کیا ہی خوب ہم نشین ہیں کہ ان کے ہم نشین کو کسی برائی کا اندیشہ نہیں ہوتا)

ولا بادرات الاذی یخشی رفیقهم ولا یلا قیه منهم منطق ذرب
(نہ کبھی تکلیف دیتے ہیں نہ بدکلامی سے پیش آتے ہیں!)

ابقو النا حکما تبقی منافعها اخری اللیا لی علی الایام واشعبوا
(ہمارے لئے حکمت کے خزانے چھوڑ گئے ہیں، جن کا فائدہ ہمیشہ باقی رہیگا)

ان شئت من محکم الآثار یرفعها الی النبی ثقات خیرة نجب
(تمہیں محکم آثار کی طلب ہو تو یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ثقہ و شریف راوی سنا رہے ہیں)

او شئت من عرب علما باولهم فی الجاهلیة تنبینی بها العرب
(یا عرب جاہلیت کا علم چاہیں، تو خود عربوں کی زبان سن لو)

او شئت من سیر الاملاک من عجم تبنی وتخبر کیف الرای والادب
(یا عجم کے حالات و آداب کی خواہش ہو، تو وہ بھی یہاں موجود ہیں۔۔۔!)

حتی کانی قد شاهدت عصرهم وقد مضت دونهم من دهرنا حقب

(یہاں سب کچھ اس طرح ملتا ہے گویا ہم اس بھولے بسرے زمانہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں)

ما مات قو م اذا ا بقو النا اد با   وعلم دین ولا با نو او لا ذهبو ا

(وہ لوگ مرے نہیں، زندہ ہیں جو ہمارے لئے یہ سب علم وادب چھوڑ گے ہیں)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پوتے، عبداللہ بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے ملنا جلنا موقوف کر دیا تھا اور قبرستان میں رہنے لگے تھے۔ ہمیشہ انکے ہاتھ میں کتاب دیکھی جاتی تھی ایک مرتبہ اس بارے میں سوال کیا گیا کہنے لگے "میں نے قبر سے زیادہ واعظ، کتاب سے زیادہ دلچسپ رفیق اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر ساتھی کوئی نہیں دیکھا"

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "مجھ پر چالیس سال اس حال میں گزرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہتی تھی!"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ بچپن سے ہی مجھے علم کا مشتاق بنا دیا گیا تھا۔ پس میں علم کے حصول میں مشغول رہا۔ پھر یہ نہیں کہ کسی ایک فن سے شغف یا لگن تھی بلکہ تمام علوم و فنون کے حصول کا میں مشتاق تھا، پھر یہ کہ میری ہمت اور طبیعت فن کے کسی ایک حصہ پر اکتفاء نہیں کرتی تھی بلکہ اس فن کا استقصاء (مکمل استیعاب) میرا مقصد رہا۔

(صید الخاطر : ص ۱۶۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کہ آپ بچپن ہی سے دیندار اور دیانت دار تھے، کسی سے (زیادہ) میل جول نہیں رکھتے تھے اور مشتبہ مال نہیں کھاتے تھے اور بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے۔" (البدایۃ و النہایۃ : ۱۲ / ۱۲۹)

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے سے اپنے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مجھے اپنے بارے میں یاد ہے کہ میں بلند ہمت آدمی تھا، جب مکتب میں بٹھایا گیا تو اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں بڑے بڑے بچوں کا ساتھی تھا، مجھے اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے عقل وافر سے نوازا تھا جو بڑے بوڑھے لوگوں کی عقل سے بھی زیادہ ہوگی، نیز مجھے نہیں یاد کہ میں بچوں کے ساتھ کسی راستہ میں کبھی کھیلا ہوں اور نہ میں کبھی زور سے ہنسا ہوں، یہاں تک کہ جب میری عمر سات سال کی تھی تو میں نے مجالس شیوخ میں بیٹھنا شروع کر دیا، میں عوامی حلقوں میں نہیں بلکہ محدثین کی مجالس تلاش کرتا اور چلتے چلتے حدیث بیان کرتے اور میں تمام احادیث سن کر یاد کر لیتا پھر گھر واپس آ کر ان کو لکھ کر محفوظ کر لیتا۔

شیخ ابوالفضل ابن ناصر رحمۃ اللہ علیہ مجھے شیوخ حدیث کے پاس لے جاتے تھے اور وہ مجھے "المسند" بھی سناتے اور دیگر بڑی بڑی کتب بھی، اور مجھے ان کا مقصد معلوم نہ ہوتا تھا، انہوں نے تمام مسموعات مجھے یاد کروائیں، یہاں تک کہ پھر میں بالغ ہو گیا اور ان کے وصال تک ان کے ساتھ وابستہ رہا، میں نے ان سے علم حدیث معرفت حاصل کی۔ دوسرے بچے دریائے دجلہ پر جاتے تھے اور وہاں پل پر تماشے دیکھتے تھے لیکن میرا حال یہ تھا کہ میں زمانہ بچپن سے ہی علم کی تحصیل میں مشغول رہا اور لوگوں سے دور رہا۔

اس کے بعد میرے دل میں زہد و عبادت کا خیال ڈالا گیا، چنانچہ میں نے نفلی روزے

رکھنا شروع کیے، کھانا پینا بھی کم کردیا، اور اپنے اوپر صبر وضبط کو لازم کرلیا، بہت کم سوتا، بلکہ بیداری کھجلی میری عادت بن گئی، میں علوم میں سے کسی خاص فن پر قانع کرنہیں بیٹھ گیا، بلکہ میں فقہ، وعظ اور حدیث سب کچھ سماعت کرتا تھا اور زاہدین کی پیروی بھی کرتا تھا، پھر میں نے لغت پڑھی، میں نے کسی راوی یا واعظ کونہیں چھوڑا، ہرایک کے پاس حاضر ہوتا تھا اور ان سے عمدہ اور بہترین باتیں منتخب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خوب تربیت اور صلاح فرمائی، جو کام میرے لئے بہت مناسب اور درست تھا اُسی پر چلا، مجھے میرے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھا اور علم کے اسباب میرے لئے آسان فرمائے اور ان کتب کی طرف میری رہبری فرمائی جن کو میں نے سوچا بھی نہیں تھا، نیز اس ذات عالی نے مجھے فہم وبصیرت، قوت حافظہ اور عمدہ تصنیف وتالیف کی لیاقت عطا فرمائی اور مجھے دنیا کی کسی چیز کا محتاج بھی نہیں بنایا بلکہ مجھے بقدر کفایت بلکہ زیادہ رزق عطا فرمایا۔ اور اپنی مخلوق کے دلوں میں میری محبت ڈالدی اور میرے کلام اور میری تحریر کو ان کے لئے مؤثر بنایا کہ وہ اس کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کرتے۔ میرے ہاتھ سے دوسو کے قریب کافر مسلمان ہوئے اور میری مجالس میں لاکھ سے زیادہ لوگ گناہوں سے توبہ تائب ہوئے۔

میں سماع حدیث کے لئے مشائخ کے پاس جایا کرتا تھا اور تیز دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس اکھڑ جاتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے آگے نہ نکل جائے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ صبح ہوئی تو کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، شام ہوئی تو کھانے کے لئے کچھ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کا محتاج نہیں بنایا اور ان کے سامنے مجھے ذلیل نہیں کیا بلکہ عزت و ناموس کی خاطر مجھے رزق پہنچایا۔ اب تو دیکھ رہا ہے کہ میں کس حالت میں پہنچ چکا ہوں، میں صرف ایک جملہ میں یہ حال جمع کرتا ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرة : ۲۸۲)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (اس کا تم پر احسان ہے کہ) خدا تعالیٰ تم کو تعلیم فرماتا ہے۔''

شیوخ واساتذہ

ایک عالم کے شیوخ اس کے ماں باپ کی طرح ہوتے ہیں جو اس کی روح کی تربیت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے شیوخ اجلاء میسر فرمائے

جو اپنی ذات، اپنے عمل اور کردار کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتے تھے۔

بعض شیوخ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆...... ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی رحمۃ اللہ علیہ: ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ اپنے شیخ ابن ناصر رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے مقام ومنزلت کا اعتراف کیا ہے، جیسا کہ سابق میں بھی ان کی طرف اشارہ ہوا۔ نیز امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "شیخ ابن ناصر وہ جنہوں نے مجھے بچپن ہی سے حاصل کی ہے، آپ بہت زیادہ ذکر کرنے والے اور رقیق القلب تھے۔

(المنتظم ص ۱۸ ۳، ۱۰۴)

☆...... موہوب بن احمد الجوالیقی رحمۃ اللہ علیہ (یکے از ائمہ لغت): ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میرے یہ شیخ وافر عقل وبصیرت رکھنے والے، متواضع اور خاموش طبیعت تھے، کوئی بات نہ کرتے جب تک کہ خوب غور وفکر نہ کر لیتے اور کامل یقین نہ ہو جاتا۔ میں نے ان سے کتاب "المعرب" اور ان کی دیگر تصانیف پڑھی ہیں، کچھ حصہ "علم لغت" کا اور بہت سی احادیث بھی پڑھی ہیں۔ (المنتظم ۸۸/۴۶،۴۷)

☆...... ابوبکر احمد بن محمد بن احمد الدینوری رحمۃ اللہ علیہ (یکے از ائمہ مذہب حنبلی): ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "آپ بڑے رقیق القلب تھے کہ اولیاء وصالحین کے ذکر کے وقت آبدیدہ ہو جاتے اور رونے لگتے اور فرماتے کہ علماء کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ومرتبہ ہے، شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنادے، میں اپنے شیخ ابوالحسن الذاغوانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تقریباً چار سال تک ان کے درس میں حاضر ہوتا رہا ہوں"۔ (مناقب الامام احمد: ص ۱۳۸)

☆...... امام، حافظ، ثقہ، المسند، بقیۃ السلف عبدالوہاب بن المبارک الانماطی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جتنا (حدیث کا) سماع ان سے حاصل ہوا اور کسی شیخ سے نہیں ہوا اور جتنی حدیثیں ان سے ہم نے لکھیں اور کسی سے نہیں لکھیں، نیز میں نے ان سے زیادہ پڑھانے پر صبر کرنے والا، ملاقات میں زیادہ اچھا، زیادہ رونے والا اور جلد آبدیدہ ہو جانے والا اور کسی کو نہیں دیکھا، میں

زمانہ بچپن ہی سے ان سے حدیث پڑھتا تھا، میں نے علم کے ذائقہ کے بعد اور کوئی ذائقہ نہیں چکھا، میرے یہ شیخ جب روتے تو برابر روتے جاتے، ان کے رونے نے میرے قلب پر بڑا اثر چھوڑا، میں (دل میں) کہتا کہ آپ کسی عظیم امر کی وجہ سے ہی اس طرح روتے ہیں، پس میں نے ان کے رونے سے جو فائدہ حاصل کیا وہ ان کی روایت سے زیادہ تھا، آپ کی مجلس غیبت وغیرہ سے پاک تھی، آپ اسلاف امت کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، میں نے ان سے جتنا علمی نفع حاصل کیا ہے وہ کسی اور نے نہیں کیا۔

(صفة الصفو : ص ۲۵/۳۹۸. ۱۴۹۹ المنتظم : ۱۷ / ۳۲. ۳۴)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ان سے صالحین کے حالات سے متعلق احادیث پڑھا کرتا تھا، جب بھی ان واقعات کو پڑھتا تو آپ رونے لگتے اور پھر زاروقطار رونا شروع کر دیتے، ہم جامع المنصور میں آپ کا انتظار کرتے لیکن ہم دیکھتے کہ آپ باب البصرہ کے پُل سے تشریف نہیں لاتے تھے بلکہ اسی پرانے پُل سے تشریف لاتے تھے، میں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس جگہ ابن معروف القاضی کا گھر تھا، جب بادشاہ ان پر غضبناک ہوا تو اس نے اس گھر کو قبضہ میں لے کر اس پر پُل بنا دیا نیز فرمایا کہ میں نے ابو محمد التمیمی کو ابن معروف (القاضی رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابن معروف رحمۃ اللہ علیہ نے اس پل سے گزرنے کو جائز قرار دیدیا تھا مگر میں یہ کام نہیں کروں گا"۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ان شیخ میں ایک عجیب صفت تھی کہ نہ خود وہ کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ ان کی مجلس میں کوئی شخص غیبت کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے شاگردوں کے پاس صبر وہمت سے سارا سارا دن بیٹھتے تھے، نیز آپ اجزاء کو عاریۃً دینے میں بڑے نرم خو تھے، اس میں توقف نہیں کرتے تھے۔ اور تعلیم پر اجرت نہیں لیتے تھے بلکہ اجرت لینے والے کو معیوب خیال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بلا معاوضہ تعلیم دو جیسا کہ تمہیں بلا معاوضہ پڑھایا گیا"۔

(ذیل طبقات الحنابلة لابن رجب : ص ۲۲۸ ، ۲۰۳)

غور کیجئے! جس عالم کے شیوخ ایسے ہوں وہ خود آگے چل کر کیا بنا ہوگا۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند ہمتی

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میری بلند ہمتی کا معاملہ بڑا عجیب ہے، میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ میں اس تک نہیں پہنچ سکوں گا، اس لئے کہ میں تمام علوم وفنون کا حصول چاہتا ہوں، پھر میں ہر فن کی تکمیل اور اس کا احاطہ چاہتا ہوں، حالانکہ اس کے ایک حصہ کا حصول بھی اس عمر میں ناممکن ہے، پھر اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے تو دوسرے فن میں وہ ناقص نظر آتا ہے پس میں اس کی ہمت کو کامل خیال نہیں کرتا''۔ (صید الخاطر : ص ٦٢)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عالی ہمتی کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''انسان کے لئے سب سے بڑی ابتلاء اس کی بلند ہمتی ہے، اس لئے کہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے وہ بلند مراتب کا انتخاب کیا کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ معاون نہیں ہوتا اور کبھی اسباب ووسائل ناپید ہوتے ہیں تو ایسا شخص ہمیشہ کلفت میں رہتا ہے، مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند ہمتی عطا فرمائی ہے اور اس کی وجہ سے میں بھی کوفت میں ہوں، لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ حوصلہ عطا ہی نہ ہوتا، اس لئے کہ زندگی کا لطف عقل کی کمی کے بقدر ہوتا ہے اور عقلمند آدمی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی عقل کم کردی جائے اور زندگی کا کیف بڑھا دیا جائے''۔ (صید الخاطر : ص ۲۱۵)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عالی ہمتی ان کی عمر کے آخر حصہ تک قائم رہی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے اندر ہمت کی وہ بلندی پیدا کی گئی ہے جو کسی کام کے انتہائی مقام کی طالب ہوتی ہے، میری عمر ساٹھ سال کی ہوچکی ہے مگر میری آرزوئیں پوری نہیں ہوئیں، پس میں نے اللہ تعالیٰ سے عمر کی درازی، بدن کی تندرستی وتقویت اور امیدوں کے پورا ہونے کی دعائیں کرنا شروع کردیں مگر عام عادت نے انکار کیا کہ تو جس امر کا خواہش مند ہے وہ تجھے حاصل نہیں ہوسکتا، میں نے کہا کہ قادر مطلق ذات سے دعا کروں گا کہ عادت سے بڑھ کر مجھے میری خواہشات حاصل ہوں۔

(صید الخاطر : ص ۲۲٦)

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کمالات کے طالب شخص کو علم کے میدان میں عالی ہمت ہونے اور بے ہمت لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''علم کے حصول میں کمال کے طالب شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء کی

تصنیف کردہ کتب کا مطالعہ کرے، بلکہ کثرت سے مطالعہ کرے اس لئے کہ اس مطالعہ سے اس کو ان علماء کی علوہمتی (عالی ہمت) اور ان کے علوم پر واقفیت حاصل ہوگی جو اس کے ذہن کو تیز کرے گا اور اس کے عزم کو تروتازگی بخشے گا اور کوئی کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اور میں ان لوگوں کی صحبت سے خدا کی پناہ میں آتا ہوں جن کے ساتھ ہمارا رہن سہن ہے، اس لئے کہ مجھے ان میں کوئی بھی عالی ہمت نظر نہیں آتا کہ جس کی مبتدی پیروی کرے اور نہ ہی کوئی پرہیزگار ملتا ہے جس سے کوئی مرید استفادہ کرے، پس اللہ کی پناہ ہے! اس لئے تم پر لازم ہے کہ تمام اسلام کی سیرت کو اپناؤ اور ان کی تصانیف کا کثرت سے مطالعہ کرو، کیونکہ ان کی کتب کا کثرت سے مطالعہ کرنا ایسا ہے جیسے خود ان کو دیکھنا۔

میں تمہیں اپنے حالات بتاتا ہوں کہ میں کتب کے مطالعہ سے کبھی سیر نہیں ہوتا، جب میں کوئی ایسی کتاب دیکھ لوں جو میں نے پہلے نہ دیکھی ہو تو میں اس کو یوں حاصل کرتا ہوں جیسے خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو، میں نے مدرسہ نظامیہ کی تمام کتب کا مطالعہ کیا ہے جو تقریباً چھ ہزار جلدوں پر مشتمل ہوں گی، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالوھاب الانماطی، شیخ ابن ناصر اور شیخ ابومحمد الخشاب کی تمام کتب کی فہرست بھی دیکھی ہے علاوہ ازیں وہ تمام کتابیں نظر سے گزریں جو میں حاصل کر سکا۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بیس ہزار سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو یہ بعید از عقل نہ ہوگا، میں تو اب تک کتب کی تلاش میں ہوں۔ میں نے ان کتب سے علماء کی سیرت کا مطالعہ کیا اور اس کو پڑھا، ان علماء کی عالی ہمتی، حفظ وعبادات اور عجیب وغریب علوم سے شناسائی ہوئی جو شاید کسی دوسرے شخص کو معلوم نہ ہوئے ہوں جو مطالعہ نہ کرتا ہو، میں دیکھتا ہوں کہ طلبہ بڑے کم ہمت ہوگئے ہیں اور عامۃ الناس بھی اس میں مبتلا ہیں، **وللہ الحمد.** (صید الخاطر: ص ۳۷۵)

جب ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کو سزا دی گئی اور مقام ''واسط'' میں جلاوطن کیا گیا تو انہوں نے وہاں امام ابن الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے قراءت عشرہ کے ساتھ قرآن کریم پڑھا، اس وقت ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے ان کی بلند ہمتی کا اندازہ لگالو۔ (سیر اعلام النبلاء: ص ۲۱/۳۷۷)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اندر بلند ہمتی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بلند ہمت لوگوں سے تعلق قائم کیا جائے اور خسیس لوگوں سے تعلق توڑا جائے، نیز انجام پر نظر رکھی جائے اور عواقب کو سوچا جائے کہ بلند ہمت لوگوں کا انجام کیا ہوگا اور دوسروں کا کیا ہوگا؟ جو شخص بلند ہمت لوگوں کے حال میں غور کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنی اصلیت پر قائم ہیں لیکن آسائش و راحت اور بیکارپن کو پسند کرنا اس کے خلاف ہے، بلند ہمت انسان اگر چل رہا ہے تو یہ بیٹھا ہوا ہے، اگر وہ متحرک ہے تو یہ ساکن ہے۔ جو شخص اسلاف کے حالات کا مطالعہ کرے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ بہت سے علماء اس پُست میں مبتلا رہے ہیں، البتہ جنہوں نے اپنی ہمت کو بلند کیا وہ آگے نکل گئے۔ اور بلند ہمتی کی علامات میں سے یہ ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اٹھانا، برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا، قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا، جنت و جہنم کے بارے میں اپنی فکر کو تازہ کرنا اور حکماء اور زاہدین کے حالات و واقعات کا مطالعہ کرنا۔

(الطب الروحانی : ص ۵۵ . ۵۸)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت کی قدر کرنا

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں بے کار لوگوں کی صحبت سے، میں دیکھتا ہوں کہ بہت سارے لوگ عام عادت کے مطابق زیارت کے لئے میرے پاس آتے جاتے ہیں اور اس آمد و رفت کو خدمت کا نام دیتے ہیں اور دیر تک بیٹھیں رہیں گے اور آپس میں لایعنی اور فضول باتیں کرتے رہیں گے، ایک دوسرے کی غیبت کریں گے، آج کل یہ کام اکثر لوگوں نے شروع کر دیا ہے بلکہ بسا اوقات خوب شوق سے جھوٹ بولیں گے اور تنہائی سے وحشت کھاتے ہیں، خاص طور پر عید اور دوسرے مبارک بادی کے دنوں میں تو ایک دوسرے کے پاس جاتے ہیں اور مبارک بادی اور سلام پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ فضول گوئی میں سارا وقت ضائع کرتے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ وقت تو بڑی قیمتی چیز ہے اور نیک کاموں میں اسے صرف کرنا ضروری ہے

تو میں نے ان کے اس امر کو ناپسند جانا اور فیصلہ کیا کہ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو میں ان سے نفرت کروں اور ان سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرلوں مگر اس عمل سے وحشت پیدا ہوتی اور یا پھر ان کی مجلس کو قبول کرلوں مگر اس سے میرا وقت ضائع ہوتا، اس لئے میں نے اپنی سی کوشش سے ان کے میل ملاپ کو روکنا شروع کر دیا، لیکن جب میں مغلوب ہو جاتا تو گفتگو کم کرنی شروع کر دیتا تاکہ ان سے جلدی جدائی حاصل ہو، جب لوگوں کی ملاقات کا وقت ہوتا تو کچھ ایسے کام شروع کر دیتا جس سے ان کی گفتگو بھی جاری رہتی اور میرا کام بھی چلتا رہتا اور یوں وقت ضائع نہ ہوتا جیسے کاغذ کاٹنا، قلم بنانا اور رجسٹر وغیرہ جمع کرنا، کیونکہ ان چیزوں کے بغیر بھی چارہ نہیں اور ان کاموں میں زیادہ غور و فکر کرنے اور حضور قلبی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، پس لوگوں کی ملاقات کے وقت میں ایسے کاموں کو تیار رکھتا تاکہ میرے وقت کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عمر کی قدر پہچاننے اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں، میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں کہ جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعضوں کو تو اللہ تعالیٰ نے کثرت مال کے سبب کسب و معاش سے مستغنی کر رکھا ہے، پس وہ سارا دن بازار میں بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کی طرف دیکھتے رہتے ہیں، کتنی آفات اور منکرات سے ان کا واسطہ پڑتا ہے۔ اور بعضوں کو شطرنج وغیرہ سے فرصت نہیں، اس میں مست ہیں اور بعض وہ ہیں جو بادشاہوں کی قصہ کہانیاں اور اشیاء کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سناتے رہتے ہیں اور یوں اپنا وقت کاٹتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ وقت کی قدر دانی دل میں ڈال دے اور اس کی توفیق عطا فرما دے وہی زندگی کی قدر اور اس کی صحیح معرفت جان سکتا ہے۔ فرمایا کہ:

﴿ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (فصلت: ۳۵)

آپ کی تالیفات کثرت وقت کی قدر دانی کی آئینہ دار ہے

حافظ ابن رجب الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں انہوں نے "الاجوبة المصرية" میں فرمایا ہے کہ شیخ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف تھے، بہت سے امور میں ان کی تصنیفات موجود ہیں،

یہاں تک کہ میں نے جب ان کو شمار کیا تو ایک ہزار سے زیادہ پایا، اور میں نے یہ کارنامہ اور کہیں نہیں دیکھا۔ (ذیل طبقات الحنابلة : ص ۴۱۵،۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کثیر التالیف علماء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''میرے علم میں ایسا کوئی عالم نہیں ہے جس نے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کتابیں تصنیف کی ہوں'' اس کے بعد امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق موفق عبدالاللطیف رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کو ذرا بھی ضائع نہیں کرتے تھے، ایک دن میں چار رجسٹر لکھتے تھے، تدریس و تالیف اور افتاء کی ذمہ داری اس کے علاوہ تھی، ہر علم میں آپ کا حصہ ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی : ص ۴/ ۳۴۴)

ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی تحریر کردہ کاپیوں اور عمر کی مدت کا حساب کیا گیا اور ان کاپیوں کو مدت عمر پر تقسیم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہر روز نو کاپیاں (رجسٹر) لکھا کرتے تھے اور یہ بہت بڑی بات ہے، عقل (آسانی سے) اس کو قبول نہیں کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کے قلم کے ریزوں کو جمع کیا گیا جن سے انہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا تو بہت بڑا ڈھیر جمع ہو گیا اور امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی تھی کہ ان کو وفات کے بعد جس پانی سے غسل دیا جائے اس میں برادہ کو بھی ڈال کر گرم کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا پس برادہ کافی ہو گیا بلکہ کچھ بچ بھی گیا۔

(وفیات الاعیان : ص ۳/ ۱۴۱)

حضرت امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

یہ امام مجتہد، حجت، مفسر، محدث، فقیہ، علوم و فضائل کے جامع بہت سی کتابوں کے مصنف، مجتہد مطلق علم و دین، حفظ اور کثرت تالیفات میں دنیا کے اماموں میں سے ایک امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۲۲۴ھ میں اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی شہرت آفاق عالم میں اس طرح پھیلی حتی کہ لفظ ''محمد'' جب کتب میں حوالے کے لئے لکھا جاتا ہے تو وہی مراد لئے جاتے ہیں۔

علامہ یاقوت حموی کی ''معجم الادباء'' اور خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغدادی'' سے ان کے مراتب عالیہ سے بھرے ہوئے تذکرے میں سے یہاں چند جملے ذکر کرتا ہوں۔

(''معجم الادباء'' (۱۸/۴۰۔۹۶) ''تاریخ بغداد'' (۱۶۳۲۔۱۶۹))

علامہ طبرستان کے شہر ''آمل میں پیدا ہوئے۔

بچپن اور طلب علم میں اسفار

سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی اور لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی سن ۲۳۶ھ میں بارہ سال کی عمر میں والد سے اجازت لے کر طلب علم میں سفر کے لئے نکل گئے۔

سن ۲۴۱ھ میں امام احمد کی وفات کے بعد بغداد میں قدم رکھا، ان کی امام احمد سے ملاقات نہ ہو سکی۔ علم کی جستجو اور علماء کی ملاقاتوں کے لئے عالم اسلام کے کئی شہروں کا طواف کیا۔ خراسان، عراق، شام، مصر میں گھومتے رہے۔ آخری میں بغداد کو وطن بنالیا اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔ عنوان شباب میں ہی علم میں امامت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایسے امام بن کر صفحۂ ہستی میں نمودار ہوئے جن کا کوئی ثانی نہ تھا، آنے والے ہر زمانے کے لوگوں نے ان کی امامت کی گواہی دی اور ان کی طرف رجوع کیا۔

وسعت علم

علی بن عبیداللہ لغوی سمسمی قاضی ابو عمر عبیداللہ بن احمد سمسار اور ابوالقیاس بن عقیل ورّاق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر طبری نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم قرآن کی تفسیر کا شوق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی؟ بولے تیس ہزار صفحات کی۔ ساتھیوں نے کہا اس کے مکمل ہونے سے پہلے تو زندگیاں ختم ہو جائیں گی۔ اس پر انہوں نے مختصر کر کے تین ہزار صفحات پر مشتمل سات سالوں میں وہ تفسیر لکھوائی۔ ۸۳ سال کی عمر میں شروع کی اور ۹۰ سال کی عمر میں مکمل کر لی۔

پھر ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کیا تم آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانے کی تاریخ کا شوق رکھتے ہو؟ ساتھیوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی وہی تفسیر

والا جواب دہرایا۔ ساتھیوں کے سابق اعتراض کے جواب میں بولے. انا للہ ہمتیں مردہ ہوگئی ہیں پھر تفسیر کی طرح تاریخ کو بھی مختصر کیا۔ تاریخ کی تصنیف اوراس کی قرأت سے بروز بدھ ستائیس جمادی الثانی تین سوتین ھجری میں فارغ ہوئے، اپنی تاریخ کو ۳۰۲ کے آخر میں ختم کیا۔

وقت کی قدر و قیمت

خطیب کہتے ہیں کہ میں سے سمسمی کو ابن جریر کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ وہ چالیس سال تک روزانہ چالیس صفحات لکھتے ہیں، ان کے شاگرد ابو محمد عبداللہ بن احمد بن جعفر فرغانی اپنی مشہور کتاب ''الصّلہ'' جو کہ تاریخ ابن جریر کے ساتھ ملحق ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ ابن جریر کے شاگردوں نے ان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر ۸۶ سال کی عمر میں وفات تک دنوں کا حساب لگایا پھر ان ایام پر ان کی تصنیفات کو تقسیم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ روزانہ چودہ صفحات لکھتے تھے۔ یہ چیز مخلوق کو صرف خالق کی مہربانی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ ان کے شاگرد ابوبکر بن کامل، احمد بن کامل شجری قاضی کہتے ہیں کہ مجھے ابن جریر نے کہا سات کی عمر میں، میں نے قرآن حفظ کیا۔

آٹھ سال کی عمر میں نے لوگوں کی امامت کی۔ نو سال کی عمر میں نے حدیث لکھنی شروع کی۔

ایک خواب

خواب میں مجھے میرے والد نے دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوں، میرے پاس پتھروں سے بھری ایک ٹوکری ہے اور میں ان پتھروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک رہا ہوں۔ تعبیر بتانے والے نے میرے والد کو بتایا کہ تمہارا بیٹا بڑا ہو کر دین کا خیرخواہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا دفاع کرے گا۔ اس لیے بچپن سے ہی میرے والد طلب علم میں میری اعانت پر بے انتہا توجہ دیتے تھے۔

ذوق علم اور بے مثال حافظہ

محمد بن حمید کے پاس ہم حدیث لکھا کرتے تھے۔ رات میں وہ کئی مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ہم نے جو لکھا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے اور پھر خود اس کو پڑھتے۔

رے سے کچھ مسافت پر واقع ایک بستی میں احمد بن حماد دولابی رہتے تھے۔ان کی مجلس سے فارغ ہو کر ہم ابن حمید کی مجلس کو پانے کے لئے دیوانوں کی طرح دوڑتے تھے۔[1]

(محنتی طلبہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔امام ابن جوزی اپنے عمدہ رسالے" لفتة الكبد في نصيحة الولد " جس میں وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حدیث سننے کے لئے مشائخ کی طرف دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس منقطع ہو جاتا تھا اور یہ دوڑنا اس لیے تھا تا کہ مجھ سے کوئی آگے نہ بڑھ جائے۔)

کہا جاتا ہے کہ ابن جریر نے ابن حمید سے ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں لکھیں۔کوفہ کی طرف سفر کیا اور بہت سے محدثین سے حدیثیں لکھیں جن میں ابوکریب محمد بن العلاء همدانی بھی ہیں وہ بہت بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج تھے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ دیگر طلبہ حدیث کے ساتھ میں بھی ان کے دروازے پر حاضر ہوا، انہوں نے دروازے کی کھڑکی سے جھانکا، باہر طلبہ شور کر رہے تھے اور داخل ہونا چاہتے تھے انہوں نے پوچھا تم نے جو احادیث میرے ہاں لکھی تھیں وہ کس کس کو یاد ہیں؟ تو طلبہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے پھر طلبہ میری طرف متوجہ ہو کر بولے تم نے جو احادیث لکھی تھیں وہ تمہیں یاد ہیں؟ میں نے کہا ہاں، تو وہ بولے اس کو یاد ہے۔اس سے پوچھیں تو میں نے کہنا شروع کر دیا، فلاں دن آپ نے ہمیں یہ یہ حدیث سنائی تھی اور فلاں دن یہ یہ۔۔۔۔۔۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میری دھرائی ہوئی حدیثوں میں ابوکریب کا کوئی مسئلہ حل ہو گیا، جس سے میرا مرتبہ ان کے دل میں بڑھ گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم اندر آ جاؤ، چنانچہ میں داخل ہو گیا۔ابوکریب ابو جعفر کی عنفوان شباب میں ہی اسقدر قابلیت کو دیکھ کر ان کے مقام کو پہچان گئے اور احادیث سننے کی عام اجازت دے دی۔بعد میں دوسرے طلبہ ان کی وجہ سے احادیث کا سماع کر لیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ابوکریب سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔

کوفہ سے بغداد کی طرف لوٹے اور وہاں حدیث لکھنا شروع کر دی، ایک عرصہ تک یہیں بغداد میں ہی قیام رہا اسی قیام کے دوران انہوں نے فقہ اور علوم قرآن کی تعلیم حاصل کی۔

جہالت سے علم تک کا سفر

ایک دن ایک شخص میرے پاس علم عروض کا ایک سوال لے کر آیا۔ اس سے قبل علم عروض سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا آج میں نے علم عروض کے متعلق گفتگو نہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے، تم کل آجاؤ۔ پھر میں نے اپنے دوست سے خلیل بن احمد کی کتاب ''العروض'' منگوائی۔ وہ لے کر آ گیا۔ رات میں نے وہ کتاب دیکھی۔ چنانچہ اس رات تک تو میں علم عروض سے ناواقف تھا اور صبح کو میں علم عروض کا عالم بن گیا تھا۔ (سبحان اللہ)

فقر وفاقہ سے آزمائش

حصول علم میں مختلف شہروں کی خاک چھاننے کے دوران امام طبری کو مختلف مصائب وآلام کا سامنا بھی ہوا، بھوک اور درماندگی نے لاتعداد مرتبہ ان کو چھوا، حتی کہ ایک مرتبہ والد کی جانب سے خرچہ بھیجنے میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ان کو اپنی قمیص کے دونوں آستین پھاڑ کر بیچنے پڑے۔ اس قسم کے حالات کا سامنا اکثر ان کو ۲۵۶ھ میں مصر میں ہوا۔

ابومحمد عبدالعزیز بن محمد طبری کہتے ہیں

کہ ابوجعفر کو علم، فضل، حکایت اور قوت یادداشت میں سے جو حظ وافر ملا تھا۔ اس سے ہر وہ شخص واقف ہے جو ان کے نام سے واقف ہے۔ اسلام کے وہ علوم ان کی ذات میں جمع تھے، جو اس امت میں کسی اور کی ذات میں جمع نہیں ہوئے۔ جتنی ان کی تصنیفات کو شہرت ملی، اتنی کسی اور کی تالیفات کو شہرت نہ مل سکی۔ علوم قرآن، علم القرأت، انبیاء خلفاء اور بادشاہوں کی تاریخ فقہاء کے اختلافات اور روایات میں وہ لوگوں کے مرجع تھے۔ جس پر شاہد عدل ان کی تصنیفات البسیط، التہذیب، اور احکام القرأت ہیں۔ ان کتابوں میں وہ روایات اور علماء کے اقوال مشہور سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ علم لغت، نحو میں بھی ان کا کمال ظاہر تھا۔ جیسے کہ وہ اپنی کتابیں التفسیر اور التہذیب میں خود اپنا حال بیان کرتے ہیں۔ مناظرہ میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہ تھے، ان کی کتابوں میں ذکر کردہ

استدلات پر جنہوں نے اعتراضات کیے۔

امام طبری کے ان کو دیئے گئے جوابات اس دعوے پر گواہ ہیں کہ وہ ایک مناظر بھی تھے۔ جاہلیت اور اسلام کے اشعار ان کو از بر تھے۔ اس بات سے وہی ناواقف ہوگا جو امام موصوف کے نام سے ناواقف ہو۔ منطق، حساب، جبر، مقابلہ اور دیگر فنون حساب ان کی نظر سے اوجھل نہ تھے۔ وصایا میں ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ علم طب میں بھی ان کو حظ وافر نصیب ہوا تھا۔

ان کی کتاب ’’ ادب النفوس الجیدہ والاخلاق النفیۃ ‘‘ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ زہد، تقوی خشوع، امانت اعمال کی درستگی، صدق نیت اور افعال کے حقائق جاننے میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ تقویٰ اور اعمال کی درستگی میں وہ شدید احتیاط کرتے تھے۔

قرآن مجید سے شغف

تصنیف وتالیف اور حدیث کے اشتغال کے باوجود قرآن کے ایک حصے کی تلاوت بھی ان کے معمولات میں داخل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر رات قرآن کے چوتھائی یا ایک اچھا خاصہ حصّہ تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ مجود بھی تھے، دور دور سے لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے تاکہ ان کی قرأت اور تجوید سنیں۔ شیخ القرأ ابوبکر بن مجاہد، احمد بن موسیٰ بغدادی کہتے ہیں کہ محراب میں ابوجعفر سے بڑے کسی قاری کی میں نے تلاوت نہیں سنی۔

میرا خیال نہیں تھا کہ ایسی عمدہ قرأت کرنیوالا انسان بھی اللہ نے پیدا کیا ہوگا

ابوعلی طوماری کہتے ہیں کہ ابوبکر بن مجاہد رمضان میں تراویح کے لئے نکلتے تو میں ان کے آگے قندیل لے کر چلتا تھا۔ ایک دفعہ رمضان کے آخری عشرے میں وہ اپنے گھر سے نکلے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا وہ اپنی مسجد کے پاس سے گزرے لیکن اس میں داخل نہ ہوئے، آگے چلتے رہے یہاں تک سوق العطش کے آخری میں واقع ابن جریر کی مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ ابن جریر سورۃ رحمٰن کی تلاوت کررہے تھے۔ کافی

دیر تک ان کی تلاوت سنتے رہے پھر واپس مڑے۔ میں نے کہا اے استاذ لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ان کو چھوڑ کر ان کی تلاوت سننے میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے کہا اے ابوعلی اس بات کو چھوڑو۔ میرا خیال نہیں تھا کہ ایسی عمدہ قرأت کرنے والا انسان بھی اللہ نے پیدا کیا ہوگا؟

علم سب کے لئے

ابوجعفر اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ کوئی علمی بات عام طلبہ کو چھوڑ کر کسی ایک کو بتائیں۔ ابوبکر بن مجاہد باوجودیکہ وہ خود ایک بڑے قاری تھے اور ابوجعفر کے ہاں ان کا ایک مقام تھا۔ انہوں نے ابوجعفر سے ورش عن نافع عن یونس بن عبدالاعلیٰ عن ابی جعفر اس سند کی قرأت کا علیحدگی میں سننے کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ اس سند کی قرأت سننے کے لئے لوگ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن ابوجعفر نے عام مجلس کے علاوہ سنانے سے انکار کر دیا۔ اس بات نے ابوبکر بن مجاہد کے دل کو بہت متاثر کیا۔ ابوجعفر کے سامنے جب کوئی کتاب پڑھی جاتی اور کوئی ایک طالب علم حاضر نہ ہوتا تو وہ قاری کو پڑھنے سے روک دیتے تھے۔ یہاں تک وہ طالبعلم حاضر ہو جاتا۔ ان سے جب کوئی شاگرد یا کوئی اور شخص کوئی سوال کرتا اور پھر غائب ہوتا یعنی ان کی مجلس میں حاضر نہ ہوا ہوتا تو وہ اس وقت تک اس کتاب کو نہ پڑاتے تھے۔ جب تک کہ وہ طالب علم حاضر نہ ہو جاتا۔

نظام الاوقات

ان کے روزمرہ کے معمولات کا نظام الاوقات کچھ اس طرح تھا۔ نیند سے بیدار ہو کر گھر میں ظہر کی نماز ادا کرتے، عصر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ نماز عصر کے لئے گھر سے نکلتے، پھر مغرب تک پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے۔ مغرب کے بعد عشاء تک فقہ کے درس میں مشغول رہتے۔ درس سے فراغت کے بعد گھر میں داخل ہو جاتے۔ انہوں نے اپنے دن اور رات کو ایسے کاموں میں تقسیم کر رکھا تھا جو ان کی ذات، دین اور عام لوگوں کے لئے نفع بخش ہو۔

ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ

ان کا رنگ گندمی، آنکھوں کی پتلیاں بڑی، لاغر جسم اور لانبا قد تھا۔ زبان فصیح اور داڑھی بڑی تھی۔ سفید بالوں کو خضاب نہیں لگاتے تھے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال اکثر کالے تھے۔ استاذ ''کرد علی'' اپنی کتاب ''کنوز الاجداد'' میں امام طبری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی افادہ اور استفادہ کے علاوہ میں ضائع نہیں کیا۔

طلب علم مہد سے لحد تک

معافی بن زکریا ایک با اعتماد شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ امام طبری کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس حاضر تھا۔ ان سے جعفر بن محمد کے حوالہ سے اس دعا کا تذکرہ کیا گیا، تو انہوں نے قلم دوات اور ایک کاغذ مانگا۔ اور وہ دعا فوراً ہی لکھ لی ان سے کہا گیا کہ کیا اس حال میں بھی کتابت علم کی اتنی فکر؟ تو وہ بولے انسان کو چاہیئے کہ مرتے دم تک علم کو لینا نہ چھوڑے۔

آپ نے اپنی تمام تر توانائیاں زندگی کے تمام منٹ اور لمحات علم کی خدمت اور اس کی تحصیل اور اس نشر و اشاعت میں کھپا دیئے۔ اسی لئے تو آپ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی امام ہیں۔ آپ پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

سعدت اعین رأتک وقرت   والعیون اللتی رات من رآکا

ترجمہ: ''تیرا دیدار کرنے والی آنکھیں خوش نصیب اور ٹھنڈی ہوں اور ان آنکھوں کو بھی یہ نعمت ملی جنہوں نے تجھے دیکھنے والوں کا دیدار کیا۔''

وفات

۲۶ شوال ۳۱۰ کو ۸۶ سال کی عمر میں بغیر شادی کئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ ارد گرد نہ بیوی تھی اور نہ اپنے بعد کوئی اولاد چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک ناقابل فراموش رہیں گی۔ ان کی لاتعداد نادر تالیفات ہی ان کی فرمانبردار ذکر خیر کرنے والی اولاد ہے بلکہ یہ تصنیفات اولاد سے زیادہ لمبے عرصے تک ان کا ذکر خیر کرتی رہیں گی۔ امام جوزی نے سچ کہا عالم کی کتاب ہی ہمیشہ باقی رہنے والی اولاد ہے۔

جنازہ

ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ ان کی وفات کا کسی کو نہیں بتایا گیا۔ پھر بھی ان کے جنازہ میں لوگوں کی اتنی تعداد تھی۔ جس کو اللہ ہی شمار کر سکتا ہے کئی ماہ تک ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

حضرت امام ابوبکر بن انباری رحمۃ اللہ علیہ

یہ ایک بڑے نحوی، مفسر، ادیب، ایک عظیم راوی، یادداشت کے سمندر، عالم ابن عالم امام ابوبکر محمد بن قاسم بن محمد انباری بغدادی ہیں۔

ولادت اور وفات

آپ کی ولادت سن ۲۷۱ھ میں اور وفات سن ۳۲۸ھ میں ہوئی۔

زہد، تقوی اور وسعت علم

اپنی یادداشت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ ساری زندگی عمدہ کھانوں سے دور رہے حالانکہ وہ عمدہ کھانے بادشاہوں کے دستر خوانوں پر ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ اپنی یادداشت، علم، عورتوں سے لاتعلقی، اور زہد میں وہ ایک عجوبہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی کوئی نسل اور اولاد نہ تھی سوائے پچاس ہزار صفحات پر مشتمل تیس تصنیفات کے۔

لیجئے ان کا کچھ تذکرہ پیش خدمت ہے۔

وسعت علم اور بے نظیر حافظہ

حافظ علامہ شیخ الادب اپنی سند سے بیان کرنے اور اپنی یادداشت سے لکھوانے والے عالم، جو قوت یادداشت میں یکتائے زمانہ، صدق دینداری، زہد اور تواضع کے پیکر، نحو اور ادب کے سب سے بڑے عالم اور اس کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والے اپنے زمانے کے ایک امام تھے۔ ایک دنیا ان کی استاذ تھی اور اتنے ہی ان کے شاگرد تھے۔ اہل سنت میں سے تھے اور سچے، فاضل، دیندار اور پسندیدہ شخص تھے۔ علوم قرآن، حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ کے حل اور وقف وابتداء کے بارے میں انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

مشہور ہے کہ قرآن کی تفسیر میں بطور شاہد کے ان کو تین لاکھ سے زیادہ اشعار یاد تھے۔ وہ اپنی یادداشت سے لکھواتے تھے۔ لغت، نحو، تفسیر اور شعر میں جو بھی ان کی تصنیف یا اقوال ملتے ہیں وہ سب انہوں نے اپنے حافظے سے لکھوائے ہیں۔ کتاب سے دیکھ کر انہوں نے کبھی بھی نہیں لکھوایا۔

ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو ان کے ساتھی ان کی عیادت کے لئے آئے، ان کے والد کو دیکھا کہ وہ ان پر پریشان اور غمگین بیٹھے ہیں۔ ساتھیوں نے ان کے والد کو دلاسہ دیا اور عافیت کی امید دلائی تو وہ بولے۔ اس شخص کی بیماری سے میں غمگین کیوں نہ ہوں جس کو یہ سب کچھ یاد ہے اور اشارہ قریب پڑے بہت بڑے حیری مٹکے کی طرف کیا۔

لغت، نحو، شعر اور تفسیر کے وہ سب سے بڑے حافظ تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کو ۱۲۰ تفسیریں سندوں کے ساتھ یاد تھیں ان کے شاگرد ابوالعباس بن یونس کہتے ہیں کہ ابوبکر بن انباری یادداشت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ ان کے ایک اور شاگرد مشہور امام وادیب ابوعلی قالی کہتے ہیں کہ ابوبکر بن انباری کو قرآن کی تفسیر میں بطور شاہد کے تین لاکھ اشعار یاد تھے۔ وہ ایک ثقہ دیندار اور سچے انسان تھے۔ محمد بن اسحاق ندیم اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ وہ ذکاوت، سمجھداری اور علم میں پختگی اور سرعت یادداشت میں اپنے والد سے افضل اور زیادہ جاننے والے تھے، اس کے ساتھ وہ ایک بڑے متقی انسان تھے، کبھی نہیں سنا گیا کہ ان سے لغزش سرزد ہوئی ہو وہ حاضر جوابی میں بھی ضرب المثل تھے۔

ایک ہی کتاب پڑھنے سے تعبیر الرؤیا کے عالم ہو گئے۔

ابوالحسن عروضی کہتے ہیں کہ ابن الانباری عباسی خلیفہ راضی باللہ احمد بن معتدر ۳۲۲ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۳۲۹ھ میں وفات پائی، کی اولاد کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک لونڈی نے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تو وہ قضائے حاجت کا کہہ کر چلے گئے اور کرمانی کی خوابوں کی تعبیر میں لکھی ہوئی کتاب پڑھ کر اگلے دن تعبیر الرؤیا کے عالم بن کر آئے اور اس لونڈی کو جواب دیا۔

حمزہ بن محمد وقاق کہتے ہیں کہ بے نظیر حافظے کے ساتھ وہ ایک زاہد اور متواضع انسان تھے۔

ابوالحسن دارقطنی کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو حدیث کی

سند لکھوانے کے دوران انہوں نے ایک نام میں غلطی کی۔ انہوں نے حیّان کو حبّان یا حبان کو حیّان لکھوایا میں نے اس بات کو بڑا سمجھا کہ اتنے بڑے جلیل القدر شخص سے یہ غلطی نقل کی جائے لیکن ان کے رعب کی وجہ سے میں ان کو بتا نہ سکا۔ جب ان کی مجلس ختم ہوئی تو میں مستملی کی طرف گیا اور میں نے ان سے اس غلطی کا تذکرہ کیا اور صحیح قول بتا کر میں آ گیا، آئندہ جمعہ میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو ابوبکر نے مستملی سے کہا کہ ''حاضرین کو بتلا دو کہ ہم نے گذشتہ جمعہ فلاں حدیث کی سند لکھوانے کے وقت فلاں نام میں غلطی کی تھی اور اس نوجوان نے ہمیں غلطی پر متنبہ کیا ہے اور اس نوجوان کو بھی بتلا دو کہ ہم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا تو جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی پایا۔'' (سبحان اللہ کیا شان تواضع ہے)

حضرت امام ابن خشاب عبداللہ احمد

یہ نحوی، لغوی، مفسر، مقری، محدث، ادیب اور امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن خشاب حنبلی بغدادی المعروف بابن خشاب ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت سن ۴۹۲ھ اور وفات سن ۵۶۷ھ میں ہوئی۔

علمی کمال

تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ یوں آیا ہے۔

نحو میں وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، کہا جاتا تھا کہ وہ نحو میں ابو علی فارسی کے ہم پلہ تھے۔

تفسیر حدیث فرائض لغت شعر عربی منطق فلسفہ حساب اور علم ہندسہ بلکہ ہر علم پر ان کو اچھا عبور حاصل تھا۔ قرآن مجید کے وہ حافظ اور بہت سی قراءات کے عالم تھے۔

اساتذہ

نحو تو انہوں نے ابوبکر بن جوامرد القطان سے پھر ابو محسن علی بن زید فصیحی استر آبادی سے اور آخر میں ابو سعادات شریف شجری سے پڑھی لیکن پھر بعد میں ابو سعادات سے قطع

تعلق ہو گئے اور اپنی ایک کتاب میں ان پر رد کیا۔

لغت اور ادب کی تعلیم ابو منصور جوالیقی اور ابو علی حسن بن علی محوی وغیرہ سے حاصل کی۔ حساب اور ہندسہ ابوبکر بن عبدالباقی انصاری سے پڑھا اور علم فرائض ابوبکر مرزوقی سے پڑھا۔

علم حدیث میں مشغولیت

حدیث اپنے وقت کے بہت سے مشائخ سے سنی جن میں ابوالغنائم نرسی ابوالقاسم بن حصین ابوالعز بن کاوش اور دیگر شامل ہیں۔ اعلیٰ اور ادنی دونوں سندوں سے حدیث کی سماعت کی۔ وہ ہمیشہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں پر فائق ہو گئے۔

بڑی عمر میں بھی وہ مشائخ کے سامنے پڑھنے اور سننے کو اہمیت دیتے تھے۔

خوشخطی

ان کا خط خوش نما اور انتہائی عمدہ تھا۔

بہت سی کتابیں انہوں نے جمع کر رکھی تھیں۔ مختلف جگہوں سے انہوں نے اچھے اصول مرتب کیے تھے، جن کو وہ باعث افتخار سمجھتے تھے۔

حدیث کی عبارت پڑھنے کا انداز

حدیث کی عبارت بہت تیزی سے جلدی جلدی پڑھتے تھے جو کہ سمجھ میں بھی آتی تھی، امام ابوشجاع عمر بن ابوالحسن بسطامی کہتے ہیں کہ جب میں بغداد آیا تو ابومحمد خشاب نے ابومحمد قتیبی کی کتاب غریب الحدیث میرے سامنے تیزی کے ساتھ اور صحیح پڑھی، اس سے قبل میں نے اتنی تیز اور صحیح عبارت کسی اور کی نہ سنی تھی، مجلس میں علماء کی ایک جماعت نے ان کی زبان سے کوئی لغزش کو پکڑنے کے کوشش کی لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

وہ بغیر کسی تھکن کے ہمیشہ یونہی پڑھتے رہتے تھے۔

بیماری میں بھی کتابوں اور علم سے شغف

ان کے شاگرد حافظ ابومحمد بن اخضر کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو وہ بیمار تھے لیکن بیماری کی حالت میں بھی وہ سینے پر کتاب رکھ کر پڑھ رہے تھے، میں نے کہا یہ کیا ہے؟

تو انہوں نے کہا ابن جنی نحو کا ایک مسئلہ بیان کر کے اس پر بطور دلیل کے ایک شعر لانا چاہتے تھے لیکن ان کو نہ مل سکا۔ مجھے اس مسئلہ پر بطور دلیل کے ستر اشعار کا ایک مکمل قصیدہ یاد ہے۔ ان میں سے ہر ایک شعر اس مسئلے کی دلیل بن سکتا ہے۔

تلامذہ

ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا ہے۔
نحو میں بھی ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔
حافظ ابوسعید سمعانی، ابواحمد بن سکینہ، ابومحمد بن اخضر حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

کتابوں میں پرندوں کے آشیانے

مشہور تھا کہ ان کی کتابوں میں پرندوں نے اپنے آشیانے بنا لیے تھے، کتابیں وہ وہی خریدتے تھے جو صورت میں کمتر اور قیمت میں ہلکی ہوتی تھیں۔

بغداد کی بعض جگہوں سے ان کیلئے وظیفہ مقرر تھا، وہ کتاب خریدنے کیلئے جب کسی کتب خانے میں تشریف لے جاتے تو لوگوں کو غفلت میں ڈال کر مطلوبہ کتاب کا کوئی صفحہ پھاڑ دیتے تاکہ اس کی قیمت کم ہو جائے، پھر کتب خانے کے مالک سے کہتے دیکھو اس کا ایک صفحہ کم ہے۔

جب وہ مطالعے کے لیے کسی سے کتاب لیتے اور وقت مقررہ پر جب مالک اپنی کتاب لینے آتا تو وہ کہتے کہ آپ کی کتاب میری کتابوں میں گم ہوگئی ہے لہٰذا اب اسے بھول جاؤ، وہ ناقابل واپسی ہے۔

جب وہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تو سو سو دراہم میں بکتی اور اس کے حصول میں لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔

عمدہ خط اور اچھی ترتیب کے ساتھ انہوں نے ادب، حدیث اور دیگر فنوں میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں لاتعداد کتب اور اصول جمع کیے، اسی طرح ہم عصر فضلاء کے خطوط اور حدیث کے اجزاء کی بھی اچھی خاصی تعداد ان کے پاس تھی۔

ان کی آستین کتابوں سے بھری رہتی

ابن نجار کہتے ہیں کہ اہل علم اور اصحاب حدیث میں سے جب بھی کوئی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اس کی تمام کتب خرید کر پڑھتے، جس کی وجہ سے مشائخ کے اصول کی اچھی تعداد ان کے پاس جمع ہوگئی تھی، ان کی آستین کتابوں سے کبھی خالی نہ ہوتی۔

گھر بیچ کر کتابوں کی قیمت ادا کرنا

انہوں نے ایک دفعہ پانچ سو دینار کی کتابیں خریدیں اور جیب میں کچھ بھی نہ تھا، مالک کتب خانہ سے تین دن کی مہلت مانگ کر گھر آئے اور چھت پر کھڑے ہو کر مکان بیچنے کا اعلان کر دیا۔ پانچ سو دینار میں گھر بیچ کر کتابوں کی قیمت ادا کر دی۔

تمام کتابوں کو وقف کر دیا

مرنے سے پہلے انہوں نے اپنی کتابوں کو وقف کر دیا تھا لیکن مرنے کے بعد ان کی اکثر کتابیں بیچ دی گئیں اور دسواں حصہ رباط مامونیہ میں بطور وقف جمع کرا دیا گیا۔

ایک ہزار دینار کی کتاب

نحو میں یحیٰی بن ہبیرہ کے مقدمے کی انہوں نے شرح لکھنی شروع کی لیکن پورا کرنے سے پہلے اس کو چھوڑ دیا، کہا جاتا ہے کہ اس شرح پر انہیں ایک ہزار دینار ملے تھے۔

انہوں نے حریری پر ان کی کتاب مقامات حریری کے بارے میں بھی رد کیا ہے، موت سے پہلے وہ اپنی تمام کتابیں اہل علم پر وقف کر گئے تھے۔

مدفن

بغداد میں باب حرب کے پاس مقبرہ امام احمد میں ان کو دفن کیا گیا۔

ہاں لیکن اللہ نے میری طرف التفات نہیں فرمایا

مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں اچھی حالت پر دیکھا، پوچھا گیا، اللہ نے کیا معاملہ فرمایا؟ تو انہوں نے کہا کہ ''اللہ نے مغفرت فرمادی'' پوچھا گیا'' کیا آپ کو جنت میں داخل کر دیا گیا؟'' انہوں نے کہا ہاں، لیکن اللہ نے میری طرف التفات نہیں

فرمایا، پوچھا گیا کیا اللہ نے کیوں التفات نہیں فرمایا؟ انہوں نے کہاہاں، اللہ نے میری اور دیگر بہت سے ایسے علماء کی طرف التفات نہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

(رحمۃ اللہ علیہ)

حافظ شمس الدین شافی متوفی

امام محدث حافظ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی۔

وفات

ان کا سن وفات ۹۴۲ ہے

ہمارے شیخ محدث حافظ محمد عبدالحیٔ کتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عجیب کتاب ''فھرس الفھارس و الاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات''

میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

امام حافظ مصر کے محدث اور مسند شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی صالحی دمشقی

مولد

دمشق کے شہر صالحیہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو صالحی کہا جاتا تھا ان کی تاریخ ولادت نامعلوم ہے۔

قاہرہ میں

صالحیہ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ قاہرہ منتقل ہو گئے۔ پھر اسی کو اپنا وطن بنالیا تھا، وفات تک وہ باب النصر کے باہر برقوقیہ میں مقیم رہے۔

اساتذہ

اپنے وقت کے جلیل القدر علماء سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ جن میں حافظ سیوطی شارح بخاری شہاب قسطلانی شیخ شاہین بن عبداللہ خلوتی اور دیگر لوگ شامل ہیں۔

حافظ شیوطی کی وہ اجل تلامذہ میں سے تھے۔

علمی کمال

علم تحقیق اور تالیف میں انہوں نے خوب محنت کی، یہاں تک کہ وہ اس میدان میں سب سے آگے بڑھ گئے۔

حتیٰ کہ وہ بعض علوم میں خاص طور پر سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے شیخ حافظ سیوطی سے بھی فائق نظر آنے لگے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع میں مہارت

سیرت نبی کے موضوع میں وہ کمال تحقیق، وسیع مہارت اور مضبوط علمی شخصیت کے مالک تھے۔

سیرت کے متعلق کوئی بھی انوکھی بات ہوتی چاہے اس کا تعلق حدیث سے ہو یا فقہ سے یا لغت سے یا کوئی اور علمی بات ہوتی۔ وہ اس کو محفوظ کر لیتے اور اس کو اس کے مناسب مقام پر رکھ کر علم کے پیاسے کی پیاس بجھاتے۔

سیرت پر عظیم کتاب کی تصنیف

سیرت کے موضوع پر اس مہارت کی وجہ سے ان کی کتاب "**سبیل الھدی والرشاد، فی سیرت خیر العباد**" اپنے موضوع میں سب سے بڑی کتاب ہے۔ آج کل کی بہت سی اکیڈیمیاں بھی سیرت میں ایسی تصنیف پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

سیرت کی اس کتاب میں آپ کو شفاف روح "روشن چہرہ، اعلیٰ ذوق، لاجواب ترتیب اور شیرین اسلوب نمایاں نظر آئے گا۔"

تصنیف وتالیف میں ان کا تفوق

تصنیف وتالیف میں ان کے تفوق اور باکمال ہونے کی وجہ سے بہت سے علماء نے انہیں قوت یادداشت میں کامل اور مضبوط شخصیت قرار دیا ہے۔ ہمارے شیخ محمد عبدالحیٔ کتانی اپنی کتاب "**فھرس الفھارس والاثبات**" میں کہتے ہیں ان کے ہم عصر شہاب احمد بن حجر ہیثمی مکی اپنی کتاب "**الخیرات الحسان فی مناقب الامام العظیم ابی حنیفہ النعمان**" کے شروع میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے

ساتھ شیخ علامہ صالح فہامہ، ثقہ، باخبر، حافظ، متبع، شریعت، شیخ محمد شامی دمشقی اور مصری شیخ ابوسالم عیاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ امام المحد ثین تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء نے انہیں خاتمة الحفاظ قرار دیا ہے۔ وہ ''السیرة الشامیه'' کے نام سے مشہور کتاب کے مصنف ہیں۔ ان کی یہ تصنیف متاخرین کی سیرت کے موضوع پر لکھی گئی تمام تصنیفات سے زیادہ جامع اور مفید ہے۔

پندرہ جلدوں پر مشتمل سیرت کی کتاب

میرے پاس اس کتاب کا جو مخطوطہ ہے، وہ بڑے سائز کی نو موٹی موٹی جلدوں پر مشتمل ہے۔ البتہ اس کتاب کی آئندہ اشاعت بڑے سائز کی تقریباً پندرہ جلدوں پر اشاعت کا امکان ہے،

شیخ طاہر جزائری رحمۃ اللہ علیہ

جلیل القدر علامہ ماہر علوم نبیل شیخ طاہر بن محمد صالح بن احمد موہوب سمعونی اصلاً جزائری اور ولادت وفات کے اعتبار سے دمشقی جو کہ مفسر محدث فقیہہ اصولی مورخ لغوی باثر ادیب اور منقول و معقول کے علامہ تھے۔

ولادت اور وفات

سن ۱۲۶۸ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں پر ۱۳۳۸ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابتدائی تعلیم

ان کے والد محمد صالح نے امیر عبدالقادر جزائری کے ساتھ سن ۱۲۶۳ھ میں جزائر سے دمشق کی طرف ہجرت کی اور اپنی سن وفات ۱۲۸۵ھ تک وہیں مقیم رہے۔ وہ شریعت اور قرآن کے علوم کے ماہر اور مذہب مالکیہ کے فقیہہ تھے۔ زندگی آخری ایام تک وہ دمشق کے دیگر علماء کے ساتھ لگ گئے۔

مختلف زبانوں سے واقفیت

فارسی، عربی اور ترکی یہ تینوں زبانیں مختلف علماء سے سیکھیں، وہ بعض اہل جزائر کی قبائلی زبان ''بربریة'' سے بھی واقف تھے۔

علمی کمال

علوم شرعیہ میں ان کے جلیل القدر اساتذہ میں ایک احناف کے فقیہہ، ثقہ، محقق علامہ عبدالغنی غنیمی دمشقی میدانی بھی ہیں۔ یہ ابن عابدین کے شاگرد ہیں۔ ان سے انہوں نے فقہ پڑھی۔ اسی طرح مشکل مسائل کے حل اور درس وتدریس میں تحقیق وتدقیق کا ملکہ بھی انہی سے حاصل کیا۔ اللہ نے چونکہ قوی اور امین حافظہ دیا تھا اس لیے تحقیق کے میدان میں خوب ترقی کی جو چیز ایک مرتبہ ان کے ذہن میں آجاتی، وہ ان کے ذہن سے محو نہ ہوتی تھی۔

وہ اپنے نفس اور دل کی دنیاوی مشاغل سے فارغ کر کے تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اللہ نے علوم شرعیہ، عربیہ اور علوم طبعیہ میں جو دیا اس سے خوب سیر ہو کر لیا۔ ریاضیات فلکیات اور تاریخ کو انہوں نے خوب پڑھا۔ گزرے علماء کے تذکروں اور ان کی تصنیفات پر جتنا ان کو عبور تھا، ان کے ہمعصر علماء میں سے کسی کو نہ تھا۔

سیرت اور صورت

ان کا چہرہ خوبصورت، درمیانہ قد، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بال اور آنکھیں کالی، گھنی داڑھی، سخت مزاج، تیز حرکت والے، کشادہ قدم، زبان اور کلام کی حفاظت کرنے والے اور بے ہودگی سے ناواقف تھے۔ ان سے کبھی بھی فحش گوئی، بے ہودگی، گالی گلوچ اور ادب ومروت کے منافی کوئی بات نہیں سنی گئی۔ وہ کبھی کبھی مزاح اور نادر باتیں کرلیا کرتے تھے۔

سب سے قیمتی چیز

سب سے قیمتی چیز ان کے ہاں علم علمی کتابیں اور علم کیلئے یکسوئی تھی اور اسی لیے یہ جاننے کے باوجود کہ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا تاحیات غیر شادی شدہ رہے تا کہ ان کا ذہن بیوی، بچوں کی فکروں سے آزاد رہے اور وہ زمین میں جہاں چاہیں جب چاہیں گھومیں، پھریں اور اپنے کمرے میں کتابوں اور کاپیوں میں مگن رہیں۔ نہ ہی ان کے کمرے میں کوئی آئے اور نہ ان کی توجہ کا رخ دوسری طرف پھرے۔

وہ ہفتے بھر کا قہوہ ایک ہی دفعہ بنالیا کرتے تھے

کتابوں، صفحات، قلموں اور دواتوں سے ان کا بستر بھرا رہتا تھا، وقت کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے وہ ہفتے بھر کا قہوہ ایک ہی دفعہ بہت بڑے برتن میں بنالیا کرتے تھے، جب سستی محسوس کرتے تو اسی برتن سے ایک کپ ٹھنڈا اور باسی قہوے کا لیتے اور پی جاتے۔ یہ قہوہ بھی نیند دور کرنے اور نشاط پیدا کرنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

تا کہ یہ وقت بھی ضائع نہ ہو

وہ جب گھر سے یا کتب خانے سے نکلتے تو کوئی کتاب یا کچھ صفحات پڑھنے کیلئے ضرور ان کی جیب میں ہوتے تا کہ راستے میں چلنے کے دوران یہ وقت بھی ضائع نہ ہو۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ تصنیف وتالیف، تحقیق، علمی بحث ومذاکرہ اور مطالعہ سے خالی نہ ہوا کرتا تھا۔ ان کو جب کوئی کتاب پسند آتی تو وہ اس کا بار بار مطالعہ کرتے۔ لہو ولعب اور ہنسی مزاح کیلئے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا۔ ان کا تمام وقت محنت اور تحصیل علم کیلئے وقف تھا۔

چھٹیوں کے دنوں کیلئے ان کی ایک نصیحت

چھٹیوں میں کم پڑھنے اور ذہن کو تازگی بخشنے اور جسم میں نشاط پیدا کرنے کیلئے ورزش اور پارکوں میں سیر وتفریح کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ دمشق کے پارک اس وقت ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہوا کرتے تھے کیونکہ ہر وقت کتابوں پر جھکے رہنے سے انسان تنہائی اور لوگوں سے کنارہ کشی کا عادی ہو جاتا ہے۔

چلتا پھرتا کتب خانہ

انہوں نے عقائد، تفسیر، علوم قرآن، تجوید، علوم حدیث، سیرت، اصول علوم بلاغت، نحو، عربیت اور اس کے آداب، حکمت طبیعات، ریاضیات، تاریخ، اسلام کے علمی ذخیرے کی بہت سی مخطوطہ کتابوں کا تعارف جیسے مختلف موضوعات پر تقریباً پچپن کے قریب چھوٹی بڑی تصنیفات لکھیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ گھومتے پھرتے علامہ اور چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔

وفات تک

خلاصہ یہ کہ جس دن سے انہوں نے علم سے رشتہ جوڑا اس دن سے لے کر وفات تک لوگوں کو وہ اپنے علم سے مستفید کرتے رہے۔

حضرت علامہ محمود آلوسی

یہ امام عظیم محقق لغوی ادیب مضبوط علمی شخصیت علامہ سید ابوالمعالی محمود شکری آلوسی حسینی بن عبداللہ ہیں۔

خانوادہ علم وشرف کے وہ چشم و چراغ تھے

مشہور مفسر فقیہہ اور اپنے ہمنام محمود شکری آلوسی کے پڑپوتے ہیں وخانوادہ علم وشرف کے چشم و چراغ تھے۔

ولادت

بغداد کے شہر ''رضافہ'' میں وہ سن ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

اپنے والد اور چچا نعمان خیرالدین آلوسی سے انہوں نے علم حاصل کیا، پھر کسی بغداد کی جامع صاعنہ کے مدرس شیخ اسماعیل بن مصطفیٰ سے پڑھتے رہے۔

تدریس

علم ومعرفت میں کچھ کمال حاصل کرنے کے بعد کبھی اپنے گھر میں مسند تدریس کی صدارت کرتے رہے اور کبھی جامع عادلہ خاتون میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر جامع حیدر خانہ میں انہیں رسمی طور پر مدرس بنا دیا گیا۔

اس کے بعد ۱۳۱۰ھ مرجان میں تدریس کے ساتھ صدر المدرسین کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

تلامذہ

بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا جن میں سب سے زیادہ مشہور جلیل القدر علمی شخصیت شیخ علامہ استاذ محمد بہجہ اثری ہیں۔

زندگی کے آخری ایام میں وہ لوگوں سے کنارہ کش ہوکر تالیف اور تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔

زندگی کے آخری ایام

ان کے شاگرد اور شیخ استاذ محمد بہجہ اثری ان کی جامع تذکرے پر مشتمل اپنی کتاب ''محمود شکری الالوسی و آرئوہ اللغویة''میں کہتے ہیں کہ وہ تاحیات غیر شادی شدہ رہے۔ان کی وفات سن ۱۳۴۲ھ ہے

استاد محمد بہجہ اثری کہتے ہیں

صاحب کتاب محمود شکری آلوسی''و آرائوہ الغویہ ''میں مزید کہتے ہیں جس طرز پر انہوں نے زندگی گذار کر یہ کمال حاصل کیا اور وہ اس طرز زندگی سے ہٹ جاتے تو زندگی ان کو طبعی تقاضوں نفسیات اور خواہشات کی طرف لے جاتی ہے، البتہ فطرتی طور پر ان کے دل میں معرفت کی محبت علم کے لئے مکمل یکسوئی اور تمام دنیاوی خواہشات سے کنارہ کشی کا جذبہ راسخ تھا روح اور عقل کے توشے کے حصول میں وہ خود کو ہمیشہ محتاج سمجھتے تھے علم وادب اور زہد کے زیور سے خود کر آراستہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس میں انہوں نے اپنی محنت فکر اور تمام توانائیاں لگادیں اس چیز نے ان کو دیگر نفسانی خواہشات سے غافل کردیا اس لیے وہ تاحیات غیر شادی شدہ رہے۔

نہ ان کے دل میں کبھی نسل بنانے کی فکر پیدا ہوئی اور نہ کوئی دوسری لذت کی اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی منصب کے حصول کی کوشش کی۔دوسری جگہ اثری کہتے ہیں۔

اس شعبے میں کمال حاصل کرنے کے لئے انہوں نے خود کو تمام دنیاوی مشاغل اور قیود سے آزاد رکھا نہ شادی کی اور نہ کبھی نسل اور کسی منصب کی خواہش کی اپنی تمام تر کوششیں نیک عمل اور مفید کاموں کے انجام دیتے میں صرف کردیں۔

عربیت اور علامہ آلوسی

عربوں کی محبت کی وجہ سے آلوسی کو عربی سے محبت تھی ان کو عربوں سے دلی تعلق تھا۔ اپنے گھر اور ماحول میں عربی کے علوم اس کے شاندار خصائص اس کے زندہ اور مثالی نمونوں

سے ان کو وہ تعلق تھا جس نے ان میں عربی کی شدید محبت اور ان کے سینے میں دبی چنگاری کو سلگا دیا۔

اور عربی کے یہ خصائص اور مثالی نمونے ہر عربی شخص کو ایسے ہی نہ ختم ہونے والے جوش سے نوازتے ہیں۔

عرب اور عام مسلمانوں کی زندگی میں عربی زبان کی جو اہمیت ہے اس سے گہری واقفیت کی وجہ سے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان ان کی سوچ زندگی اور جدوجہد کا ایک لازمی جز بن کر رہ گئی تھی۔

ادبی فنون اور زبان کے علوم، یہ ایسا اعلیٰ مشغلہ ہے جو اس قابل ہے کہ اس میں فرصت کے اوقات صرف کیے جائیں۔ اور کسی انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس کے حصول سے پیچھے رہے۔

اس بات کی تائید میں وہ کہا کرتے تھے کہ عربوں کی دلی محبت اور ان کی زبان کی خدمت کو اعلیٰ عبادت سمجھنے میرے عزم ارادے کی آنکھ کو بیداری اور قوت بخشی ہے۔
وہ ایسی کتابوں پر بھی جھکے رہے جن سے عربی علوم میں لکھی گئی کتابوں پر کامیابی ہوسکتی تھی۔

ایک عرصے تک عربی کے کمال اور اس کی رونقوں سے لطف اندوز ہوتے رہے، اس کے پوشیدہ اسرار میں مہارت حاصل کرتے رہے اور اس کے فلسفے کی گہرائی میں غوطے لگاتے رہے۔

انہوں نے عربی کی طویل ڈکشنریاں کئی بار پڑھیں اور اس میں ان کو پوری پوری لذت ملتی تھی۔

"لسان العرب" جو کہ بیس جلدوں پر مشتمل کتاب ہے اس کو انہوں نے ترتیب کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک غور وفکر کے ساتھ تین بار پڑھا تاکہ مفردات کی ہیات ان کے ذہن میں نقش اور ان کی لغوی حس میں گہرائی آجائے۔

اور شاید ان کی پڑھی ہوئی کتابوں میں سب سے آسان "لسان العرب" تھی جس کو انہوں نے اپنی عمر میں بالاستیعاب پڑھا اور یہ سب کچھ ان کے اس عشق کی وجہ سے تھا جس نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو اس زبان اور اس کے پیش کردہ تہذیب وتمدن کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

عربی سے عشق

وہ جب دیکھتے تو اسی زبان کی طرف دیکھتے حالانکہ وہ مشرق کے ذوزبان فارسی اور ترکی کے باذوق عالم تھے۔

وہ اپنی زبان حال سے ذورمہ کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

وانی متی اشرف علی الجانب الذی   بہ أنت من بین الجوانب ناظر

ترجمہ: ''میں جب جھانکتا ہوں تو تمام اطراف سے نظریں ہٹا کر اس جانب دیکھتا ہوں جس جانب تم ہوتی ہو۔

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ اس عجیب صبر پر اللہ انہیں جزائے خیر دے اس لیے کہ بہت کم علماء ایسے ہیں جو" لسان العرب " کے کسی مادے کو مکمل پڑھتے ہوں گے کیونکہ اس کے مصنف ایک ہی مادے اقوال اور عبارات بار بار نقل کر کے بہت زیادہ طویل کر دیتے ہیں چنانچہ اتنی طویل کتاب کو علامہ آلوسی کا تین بار غور وفکر سے پڑھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کو عربی سے محبت عشق اور اس کا ذوق تھا اور اس میں انہیں لذت ملتی تھی۔

ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بیس جلدوں کا تین بار پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے وہ اس بڑے صحیفے سے ایک جلد بھی نہ پڑھ سکتے۔

وقت کی قدر و قیمت

وقت کی ان کے ہاں بڑی قدر و قیمت تھی، ایک لمحہ بھی ضائع کرنا ان کو گوارا نہ تھا، بحث ومباحثہ، تحقیق، کتابت اور مطالعہ میں وہ قوی اور باہمت تھے۔ اکتاہٹ اور سستی نام کی کسی چیز سے ان کی واقفیت نہ تھی۔ جتنا ممکن ہوتا آج کے کام کو کل پر نہ چھوڑتے۔ ایک کام سے فارغ ہوتے ہی فوراً دوسرا کام شروع کر دیتے تھے۔

ان کو کوئی کتاب جب اچھی لگتی تو اگر چہ وہ کتنی ہی جلدوں پر مشتمل ہوتی اس کا بار بار مطالعہ کرتے۔

علامہ بشیر احمد غزی حلبی رحمۃ اللہ علیہ

حلب میں علامہ فقیہہ، مفسر، نحوی، لغوی، ادیب، اریب، حافظہ شیخ بشیر غزی حلبی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت حلب میں سن ۱۲۷۴ھ اور وفات سن ۱۳۳۹ھ میں وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔

علامہ محدث، مؤرخ حلب محمد راغب طباخ نے اپنی تاریخ ''اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشهبا'' ۷/۶۲۳-۶۳۵ میں ان کا مبسوط تذکرہ بیان کیا ہے۔

یہاں اس کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔ عالم و علامہ حبر فہامہ قاضی القضاۃ شیخ محمد بشیر بن شیخ محمد ہلال بن سید محمد الالاجاتی حلبی غزی رحمۃ اللہ علیہ۔

غزی کہنے کی وجہ

ان کو غزی اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ماں شریک بھائی علامہ مؤرخ وادیب ''نهر الذهب فی تاریخ حلب'' کے مصنف شیخ کامل غزی حلبی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے ان کی نسبت آل غزی کی طرف کی جاتی تھی۔

سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ

ان کے بھائی کہتے ہیں

میرے بھائی ۱۲۷۴ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں انہوں نے ولی اللہ شیخ شریف جواعرج کے لقب سے مشہور تھے۔ سے قرآن مجید حفظ کیا۔

ایک سال ان کے ہاں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے نکلے تو پڑھنے اور لکھنے کو اپنا مشغلہ بنالیا۔

فصیح لہجے میں پڑھنا

نو سال کی عمر میں میں ان کو ہاتھ سے لکھی ہوئی ایسی کتابیں دیتا جن کی لکھائی صحیح نہ ہوتی تھی تو وہ ان کتابوں کو تیزی کے ساتھ فصیح لہجے میں پڑھتے اور بہت کم ان سے غلطی سرزد ہوتی۔

الفیہ ابن مالک بیس دنوں سے بھی کم میں یاد کی

انہوں نے علم النحو کی اہم کتاب "الفیہ ابن مالک" کو جو کہ ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے، بیس دنوں سے بھی کم میں انہوں نے یاد کیا۔

ان کے حافظے کی قوت اور تیزی سے بڑے بڑے اشخاص حیران تھے،

شیخ بدوی کی صحبت میں

ان کے وہ اساتذہ جن کی مصاحبت کو انہوں نے لازم کرلیا اور ان کے علوم وصلاح سے نفع حاصل کیا۔ ان میں ایک نام شیخ محمد بدوی سن ولادت ۱۲۴۹ھ سن وفات ۱۳۳۱ھ کا ہے۔ یہ مشہور امام اور علامہ شیخ احمد ترمانینی کے شاگرد تھے۔

شیخ بدوی علم کے خزانہ اور تقویٰ عبادت اور علمی اشتغال کے آخری درجہ پر فائز تھے۔

شیخ مدرسہ رضائیہ میں رہتے تھے، مدرسے کے صحن میں چہل قدمی کے دوران شیخ بشیر بھی ان کے ساتھ چلتے اور مشکل مسائل کے بارے میں ان سے دریافت کرتے۔ اس چہل قدمی کے دوران ان کو وہ قیمتی اور خاص فوائد حاصل ہوتے جن سے عام طلبہ محروم رہتے۔ ایک دفعہ شیخ بدوی ان سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کو ڈانٹ دیا۔ اس ناراضگی سے شیخ کے ان خاص فوائد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس محرومی پر شاگرد کی پریشانی جب بڑھی تو اس نے ایک صفحے پر علم النحو میں بطور استشہاد کے پیش کیا جانے والا یہ مشہور لکھ کر شیخ کے کمرے کی کھڑکی میں ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے شیخ کی اس پر نظر پڑ سکے، وہ شعر یہ ہے۔

ببذل وحلم ساد فی قومه الفتی وکونک ایاه علیک یسیر

ترجمہ: "سخاوت اور بردباری کی وجہ سے ہی نوجوان اپنی قوم کی سرداری کرتا اور آپ کا اس طرح ہو جانا آسان ہے۔

شیخ نے یہ شعر پڑھ کر ان سے درگزر فرمایا اور ان کا سینہ دوبارہ سے اپنے شاگرد کیلئے کھل گیا اور ایک بار پھر ان افادات اور مشکل مسائل کے جوابات کا سلسلہ چل پڑا۔

عربی ادب میں وہ ایک بہت بڑی نشانی تھے

علوم کثیرہ میں اشتغال کے باوجود انہوں نے اپنی توجہ لغت اشعار کے دیوان اور ادبی کتابوں کو مکمل سمجھ کر ساتھ یاد کرنے کی طرف مبذول رکھی۔ یہاں تک کہ وہ اس موضوع میں سب آگے بڑھ گئے اور اپنے معاصرین پر فائق نظر آنے لگے۔ لغت اور ادب میں ممالک عربیہ کے جلیل القدر علماء اور ناقدین نے ان کے کمال کا اعتراف کیا اور ان مسائل میں جن کا سمجھنا مشکل اور ان ادراک عام عقلوں سے بعید تھا۔ ان کو مرجع خلائق اور با اعتماد عالم قرار دیا گیا۔

سچی بات تو یہ کہ وہ عربی زبان، اس کے اشعار اور اس کی تاریخ میں ایک بہت بڑی نشانی تھے۔

ادب میں ان کی گفتگو سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس فن کی کوئی بھی نادر بات اس شخص کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔

الاغانی، شرح دیوان حماسہ، امالی القالی، کامل المبرد تینوں مشہور عربی شعراء طائی، بحتری اور متنبی کے مختارات اور ابوالعلاء کے اشعار اللزومیات سقط الزند وغیرہ جن کے یاد کرنے اور سینے میں محفوظ کرنے کو عقل ناممکن سمجھتی ہے۔ یہ سب ان کو زبانی یاد تھے اور وہ طلبہ کو یہ سب زبانی لکھانے پر قادر تھے۔

علمی مشغولیت

ان کی پرورش اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نہج پر ہوئی۔ انہوں نے جب سے ہوش سنبھال تو اس وقت سے سوائے علمی مشغولیت کے ان کی کوئی دوسری بچگانہ مشغولیت نہ تھی۔ ہمیشہ وہ مدرسے میں رہتے اور برے دوستوں کی صحبت سے دور رہتے۔

شادی کی ترغیب پر ان کا جواب

تاحیات وہ غیر شادی شاہ رہے، اگر کوئی ان کو نکاح کی ترغیب دیتا تو وہ مجھے متنبی کے اس شعر سے جواب دیتے۔

وما الدھر اھل ان یؤمل عندہ　　حیاۃ و ان یشتاق فیہ الی النسل

ترجمہ: ''زمانہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کی زندگی کی آرزو کی جائے اور اپنی نسل بنانے کا شوق رکھا جائے۔ اس کے بعد وہ اس موضوع میں ابوالعلاء کی اللز وخیات وغیرہ سے دیگر بہت سے اشعار سنائے۔

زہد

دنیا کے احوال میں غور وفکر اور مراقبے سے وہ غافل نہ رہتے تھے۔ اپنے پیچھے بھاگنے والوں کے ساتھ وہ کیسی آنکھ مچولی کرتی ہے، یہ سب کچھ ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔

وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ یہ دنیا محنت ومشقت کا گھر ہے۔ اس کی نعمتیں ختم ہونے والی اور اس کا سایہ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے، اس میں رہنے والوں کو خوشیوں اور محرومیوں کا سامنا ہر وقت رہتا ہے۔ اس لیے دنیا کے عشاق اور اس کے پیچھے مارے مارے پھرنے والوں کے دل میں جو اس کی محبت ہوتی ہے۔ ان کا دل اس سے کوسوں دور تھا، جو مل جاتا اس پر وہ اتراتے نہ تھے اور جو نہ ملتا اس پر غمگین نہ ہونے، حسد کی بیماری سے ان کا دل صاف اور غیبت وغیرہ سے ان کو نفرت تھی۔ اپنے حاسدین اور غیبت کرنے والوں کو ان کا جواب یہ ہوا کرتا تھا، اللہ اس کا بھلا کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ آٹھویں صدی ہجری کی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں جنکی جلالت شان کے سامنے آج بھی اہل علم ہیں سرنگم اور رہیں گے۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی انکی نادرۂ روزگار تصانیف یوں ہی آرام وسہولت سے معرض وجود نہیں آگئیں، اس کے لئے انہوں نے زندگی کی تمام آسائشوں کو خیر باد کہا، زندگی کے سفر میں ان کو کیا کیا مصائب درپیش آئے اور کن جاں گسل مشکلات سے دوچار ہو کر انہوں نے دبستان علم وآگہی کو سینے میں سرسبز رکھا، یہ ایک طولانی داستان ہے انکی زندگی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

داعئ کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب

''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی چار سو صفحات پر مشتمل جلد دوم، صرف انکی حیات کیلئے مختص کی ہے، ہر طالب علم کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے یہاں نمونے کے طور پر اس کا ہلکا سا عکس پیش کیا جاتا ہے، انکی تبحر علمی کے جہاں اور اسباب ہیں وہاں ان کی محنت وجد وجہد بنیادی وجہ ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

''اس خداداد حافظہ اور ذھانت، علم سے خاندانی مناسبت، سخت محنت ومشقت، شوق مطالعہ اور ذوق علم اور سب سے بڑھ کر توفیق خداوندی سے انہوں نے اسلامی علوم اور رائج الوقت فنون ومضامین میں ایسا تبحر اور جامعیت کی شان پیدا کرلی تھی کہ ان کے وہ نامور معاصرین جو سن میں ان سے بڑے اور اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اور امام فن تھے ان کے تبحر اور جامعیت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ اور وہ اس کی شہادت دیتے کہ وہ علم کا دریا اور اسلام کا بولتا کتب خانہ ہیں''

(تاریخ دعوت وعزیمت ج۲ص ۱۴۲)

شیخ سراج ابوحفص ابزاز فرماتے ہیں:۔

" وکان العلم کأنہ قد اختلط بلحمہ ودمہ وسائرہ فانہ لم یکن مستعارا بل کان لہ شعاراً ودثاراً"

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرگیا ہے۔ اور گوشت پوست بن گیا ہے، علم ان کیلئے کوئی عارضی اور وقتی مانگے کی چیز نہیں تھی، ان کا اوڑنا بچھونا تھا''

(تاریخ دعوت وعزیمت ج۲/ ۱۵۵)

ہر وقت علمی مشغلہ میں ہی رہنے کیوجہ سے علم انکی طبعیت ثانیہ بن گیا تھا اس میں ان کو ایسی لذت نصیب ہوگئی تھی جو ساری لذتوں سے بے نیاز کردیتی ہے، جب انکے مخالفین نے انہیں بہت تنگ کیا حتی کہ قید بھی کروادیا فرمایا کرتے کہ یہ لوگ میرا کیا نقصان کرسکتے ہیں میری جنت تو میرے سینے میں ہے جہاں چلا جاؤں وہ میرے ساتھ ہی ہے، اس کو تو وہ نہیں چھین سکتے۔

جیل کے اندر بھی انہوں نے علمی مشغلہ ترک نہیں کیا وہ برابر درس اور علمی وتصنیفی کاموں میں مصروف رہے یہاں تک کہ ظالموں نے ان سے قلم وکاغذ تک چھین لئے، گویا ان کو اسباب تحریر وکتابت سے محروم کردیا تب انہوں نے کوئلے سے پتوں پر لکھنا شروع کردیا،

مگر اپنی عالی ہمتی سے علمی مشغلہ سے کسی طرح دست کش نہ ہوئے، اور رہتی دنیا تک اپنے عمل سے طالب علموں کو درس عبرت دے گئے، چنانچہ ''صید الخاطر'' میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''لیکن میری عالی ہمتی کا معاملہ عجیب ہے میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک مجھے یقین ہے کہ پہنچ نہ سکوں گا، اس لئے کہ میں تمام علوم کا حصول چاہتا ہوں، خواہ ان کا کچھ موضوع ہو پھر ان میں سے ہر علم کی تکمیل اور احاطہ چاہتا ہوں، اور اس مقصد کے ایک کا حصول بھی اس چھوٹی سی عمر میں ناممکن ہے، پھر میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے اور دوسرے فن میں وہ ناقص ہوتا ہے تو مجھے وہ ناقص نظر آتا ہے۔ میرے نزدیک علم کا نقص ہمت کی پستی کا نتیجہ ہے، پھر علم سے میرا مقصود پورا پورا عمل ہے۔'' (دعوت وعزیمت ج، اص ۲۹۹)

حضرت علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیہ، محدث، مفسر علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی قدر و منزلت سے اہل علم واقف اور قدر دان ہیں، انکی تحقیق وتصانیف سے اہل علم آج بھی مستفید ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، ان کے نقطہ نظر سے اہل علم کا اختلاف اپنی جگہ ہے لیکن بایں ہمہ ان کے کمال کا اعتراف سب کو ہے، اور یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ انہیں کمال کے اس بام عروج تک پہنچنے کے لئے کس ہمت اور جد وجہد سے کام لینا پڑا وہ اپنی جلیل القدر کتاب ''البدر الطالع ج ۲ ص ۲۱۸'' میں اپنے حالات خود لکھتے ہیں اور تواضعاً اپنے آپ کو صیغہ غائب سے ذکر کرتے ہیں:۔

''رات اور دن میں اس کے تیرہ اسباق ہوتے تھے جن میں سے کچھ تو وہ اپنے مشائخ واساتذہ سے حاصل کرتا اور کچھ اس کے شاگر اس کے پاس پڑھا کرتے تھے، اس معمول پر ایک مدت تک مداومت رہی پھر اس نے اپنے آپ کو طلبہ کو فائدہ پہنچانے کیلئے فارغ کرلیا، چنانچہ روزانہ مختلف فنون میں دس سے زائد سباق ہوتے تھے ان اسباق میں تفسیر، حدیث، اصول، نحو، صرف، معانی، بیان، منطق، فقہ، مناظرہ اور عروض کے اسباق جمع ہو جاتے تھے۔ (قیمۃ الزمن مترجم ۱۰۰)

یہ بات کہنے میں تو آسان ہے کہ دس اسباق مختلف فنون میں روزانہ ہوتے تھے لیکن عملاً کرنے کیلئے بالخصوص مداومت کے ساتھ کارے دارد، اس کیلئے کمر ہمت کو کسنا پڑتا ہے سستی اور کسل مندی کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے، اور یقین جانئے دنیا وآخرت کی سربلندیاں حاصل کرنے کیلئے بلند ہمتی کو اپنا شعار بنائے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، یہی قاضی شوکانی رحمہ اللہ اس محنت وہمت کے نتیجہ میں بعد میں یمن کے مفتی اور مرجع الخلائق بنے، اور قضاء کے منصب پر بھی فائز رہے، اس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں قابل رشک تصانیف چھوڑیں جن کی تعداد تقریباً ایک سو چودہ ۱۱۴ بنتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ

خاتم المفسرین، مفتی بغداد علامہ شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز "قرآن حکیم" کی وہ خدمت کی توفیق بخشی کہ علماء نے بالاتفاق ان کو خاتمۃ المفسرین کا لقب دیا، اور انکی تفسیر "روح المعانی" جو تیس (۳۰) جلدوں پر مشتمل ہے کو امہات التفاسیر میں شمار کیا گیا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کی توفیق وفضل سے ہی ایسے محیر العقول کارنامے سرانجام پاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ انکی عطاء کی بارش انہی پر ہوتی ہے جن میں سچی طلب ہوتی ہے، جو اپنے مقصود کے حصول کیلئے انتھک محنت، کوشش کرتے ہیں، عزم وہمت کو اپنا شعار اور سستی وکاہلی کو قریب نہیں آنے دیتے، اب سنئے کہ علامہ آلوسی کا کیا حال رہا۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:۔

> "ہر دم اس بات کے حریص رہتے تھے کہ لحظہ بہ لحظہ ان کے علم میں اضافہ ہو وہ علمی فوائد کے حاصل کرنے اور مشکل ودقیق مباحث کو سمیٹنے میں بالکل تساہل نہیں برتتے تھے، آپ کا دن تو افتاء وتدریس میں صرف ہوتا تھا، رات کا اول حصہ کسی مستفید وہم نشین کی صحبت میں گذرتا اور آخر حصوں میں تفسیر لکھا کرتے تھے، پھر وہ تفسیر کے اوراق صبح کو اپنے ہی گھر میں مقرر کردہ کاتبوں کے حوالے کردیتے تھے وہ سب مل کر ان اوراق کی تبییض کوئی دس گھنٹوں میں کر کے فارغ ہوتے تھے۔
>
> وہ پہلے تو پورے دن میں چوبیس اسباق پڑھایا کرتے تھے لیکن جب

تفسیر کی مصروفیت بڑھی تو بڑی بڑی کتابوں کے صرف تیرہ اسباق پڑھانے لگے، تالیفات کا سلسلہ تو آخری عمر تک جاری رہا۔

حضرات علماء کے نزدیک آپ کی تفسیر، دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں ایک منفرد عجوبہ کی حیثیت رکھتی ہے یہ آپ کی امامت، فضل، اور شرف وکمال علم پر کافی وافی دلیل ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا کہ یہ عظیم تفسیر رات رات میں لکھی گئی ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔

وبا در الليل بما تشتهي　　　فانما الليل نهار الا ديب

رات کے اوقات کو ارادوں کی تکمیل کیلئے جلد کام میں لاؤ کیونکہ رات تو عقلمند کیلئے دن ہے۔

کانک لم تسبق من الدهر ليلة
اذا أنت أدركت الذی کنت تطلب

(قيمة الزمن ۱۰۱)

اگر تم نے اپنا مطلوب حاصل کرلیا تو گویا تم زمانہ بھر میں کسی ایک رات بھی پیچھے نہیں رہے۔

امام المحدثین علامہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ برصغیر میں خاتمۃ المحدثین والمحققین شمار ہوتے ہیں بلکہ بعض حضرات نے یہاں تک کہا ہے کہ ان سے پہلے پانچ سو سال کے عرصے میں ان جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا وہ اس مقام تک اس لیئے پہنچے کہ وہ فقط علم کے ہی ہو کر رہ گئے تھے، تمام علوم وفنون پر عبور کے باوجود علم کی نہ بجھنے والی پیاس انہیں ہر وقت مطالعہ، تحقیق اور علمی غور وخوض میں مصروف رکھتی۔ ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں۔

''مرحوم کی زندگی کا سب سے ممتاز وصف آپ کا علمی انہاک ہے، اس

گوشہ میں آپ کے حیرت انگیز واقعات ان پرانی شخصیتوں سے ملتے جلتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اسی راہ میں صرف کی، چند ہی گھنٹے آپ کے اس انہماک وشغف سے فارغ رہتے ورنہ آپ کا ایک ایک لحہ علمی عقدوں کے سلجھانے میں مصروف رہتا، مولانا ادریس صاحب نے انہیں سے نقل کیا ہے کہ ''میں ہروقت فکرِ علم میں مستغرق رہتا ہوں بجز ان اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو'' اس مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ نہ جاننے والے لوگ اگر بعض اوقات آپ کی عجیب وغریب باتوں کو دیکھتے تو خدا جانے کیا سمجھتے۔ بار ہا ایسا ہوتا کہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور درمیان ہی سے مسکراتے ہوئے واپس ہوجاتے کمرہ میں پہنچ کر کتاب یا اپنی کشکول اٹھاتے اور لکھنے کے لئے بیٹھ جاتے، جاننے والے سمجھ جاتے کہ کوئی علمی انکشاف ہوا ہے جسے تحریر کرنے کے لئے واپس ہوئے ہیں، ڈابھیل کی سلیمان کوٹھری والا جو آپ کے خصوصی معتقد اور مجلس میں عقیدت سے شرکت کرنے والے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت شاہ صاحب کو تین مرتبہ بیت الخلاء کے ارادے سے نکلتے ہوئے اور پھر واپس کمرے میں آتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی، مولانا ادریس صاحب نے بتایا کہ ہروقت فکرِ علم میں رہتے ہیں اس آمد ورفت میں طبیعت مسائل کی طرف متوجہ ہے کچھ انکشافات ہوتے ہیں تو ان کو لکھنے کے لئے واپس ہوجاتے ہیں۔ والدہ کہتی تھیں کہ ''کبھی ایسا ہوتا کہ خود ہی بیٹھے بیٹھے مسکراتے، کتاب اٹھاتے اور لکھتے''۔ اس علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ کوئی مشغلہ ایسا جوان کے شغل میں حائل ہو پسند نہ فرماتے اس زمانے میں اکثر وبیشتر یونیورسٹیوں کے امتحانی پرچے آتے لیکن جوابی کاپیاں دیکھنے سے انہیں بڑا تکدر رہوتا فرماتے ''بڑا بے حظ مشغلہ ہے'' اپنے شاگرد اور تلامذہ کو بھی علم ہی میں مشغول دیکھنا پسند فرماتے۔ مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے فرمایا کہ ''جس سال میرا دورہ تھا حضرت کے کمرے سے متصل ہی میرا کمرہ تھا اس لئے نماز کے لئے جاتے ہوئے گاہے گاہے میرے کمرے

پررک جاتے ایک بار ''فتح الباری'' کا مطالعہ کررہا تھا دریافت فرمایا کہ روزانہ کتنے صفحات کا مطالعہ دیکھتے ہو، میں نے عرض کیا تیس پینتیس صفحات کا مطالعہ معمولاً جاری ہے، ارشاد ہوا کہ ''بہت کم مقدار ہے میں نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں بیس روز میں فتح الباری کی تیرہ جلدیں مکمل دیکھ ڈالیں تھیں''۔

آپ کا یہ شغل موت تک جاری رہا جس شب میں وفات ہوئی اس روز بھی مطالعہ کے لئے کتابیں سامنے تھیں۔ شب وروز اس علمی انہماک کی وجہ سے آپ ایک جامع الفنون شخصیت کے مالک ہو گئے، نہ صرف متداول علوم بلکہ عصری علوم پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے''

(نقش دوام ص ۱۱۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم حضرت شاہ صاحب احمد اللہ کے بے پناہ علمی شوق اور انہماک پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے بہار آفریں قلم سے تحریر فرماتے ہیں۔

''فرمایا (حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے) کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب سخت بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی، ایک صبح فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ حضرت کا وصال ہوگیا خدام پر بجلی سی گر گئی، اور نماز فجر کے فوراً بعد ہم سب حضرت کے مکان کی طرف لپکے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی بھی ساتھ تھے، گھر پہنچ کر معلوم ہوا بحمد اللہ خبر غلط تھی، البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے ہم سب لوگ حضرت کی عیادت کے لئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں سامنے تکیے پر ایک کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت جھک کر اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت کے ساتھ تشویش بھی ہوئی کہ ایسی علالت میں مطالعے کی لئے اتنی محنت برداشت کرنا مرض میں مزید اضافے کا موجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب نے ہمت کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ ''حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو وہ کون سی بحث ہے جو حضرت کے علم میں نہ آچکی ہو اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مرگئے ہیں؟ آپ کسی بھی شخص کو حکم

فرمادیتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کردیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھا رہے ہیں وہ ہم خدام کے لئے ناقابل برداشت ہے"

والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا "بھائی ٹھیک کہتے ہیں، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں" (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۲۷۶)

معلوم ہوا کہ علم کے اندر رسوخ وکمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اسے اس طرح اپنایا جائے کہ گویا وہ روگ بن جائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ

حضرت شیخ الحدیث کی ذات گرامی سے کون ناواقف ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی تصانیف کو خاص مقبولیت عطا فرمائی، اور انہوں نے علم کے لئے اپنے آپ کو قیدی بنا کر رکھا، ابتداء میں تو والد صاحب مرحوم کے جبر کی وجہ سے قیدی بنے رہے لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ پھر ساری زندگی علم کے لئے، اپنے آپ کو علم کا قیدی بنا کر رکھنا ان کا سب سے لذیذ مشغلہ ہوگیا، یہاں ان کی "آپ بیتی" سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ایک جگہ اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں۔

"ابا جان ایک دو لفظ بتا کر اور صرف کے قواعد بتا کر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کے صیغے بناؤ اس زمانے میں اس کی مشق ایسی بڑھی کہ رات اسی سوچ میں گزرتا تھا "بت" کے تیس چالیس صیغے بنانے تو اب بھی یاد ہیں اور اس کی کاپیاں بھی میرے کاغذات میں اب تک پڑی ہیں، جب دہلی جانا ہوتا تھا تو مظفر نگر سے اگلا اسٹیشن کھاتولی ہے، دہلی تک اس کے صیغے بناتا جاتا تھا۔ اس دور کے بعد پھر جب ادب کا ذوق شروع ہوا تو سہارنپور سے دہلی تک اشعار کا دور تھا، کھڑکی سے باہر منہ نکال کر شعر پڑھتا جایا کرتا تھا۔ اس کے بعد قرآن کا دور شروع ہوا سہارنپور سے دلی تک ۱۵ اور ۲۰ تک درمیان میں پاروں کا ہمیشہ معمول رہا۔ (آپ بیتی ۱۱۶)

طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ نے بعض کتابوں کی شرحیں بھی لکھیں، جن میں الفیہ ابن مالک کی شرح تین جلدوں میں ہے اور سلم کی شرح بھی جب وہ پڑھ رہے تھے لکھی۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ معروف چیز ہے کہ میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی، بغیر والد صاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی، میرا انتہائی کھیل یا ابتدائی کھیل یا پورا کھیل ''بیت بازی'' تھی ہم تینوں ساتھی میں مظہر اور حکیم محفوظ جب بھی ابا جان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کر دیتے۔۔۔۔ میری اصل محنت کا زمانہ منطق کے سال سے شروع ہوتا ہے اور اس سے پہلے محنت تو کم وبیش عربی کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی دوسرا مشغلہ تھا نہیں کہیں آنا جانا نہ تھا، لیکن منطق کے سال میں چونکہ کتابیں بہت سی پڑھیں۔

دورہ حدیث والے سال ان کا یہ معمول تھا کہ کوئی حدیث بغیر وضو کے نہ پڑھتے اور درمیان سبق اگر وضو کی ضرورت پڑھتی تو ایک دوسرے ساتھی سے طے کیا ہوا تھا کہ جو بھی وضو کے لئے جائے گا دوسرا اس دوران سوال کر دے گا تاکہ دوسرے کے آنے تک استاد جواب دینے میں مصروف رہیں اور حدیث نہ ہو سکے، دورے کے ختم پر انہوں نے ہدایہ کو اپنے والد صاحب سے پڑھا، اور اس کے لئے وہ کتنا مطالعہ اور تیاری کرتے تھے خود فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

''دورہ کے ختم پر اس سیہ کار نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہدایہ ثالث شروع کی، اس میں مطالعہ کا چسکہ پڑ گیا تھا، حدیث کی کتابیں ہو چکی تھیں، دن بھر خوب مطالعہ دیکھتا اور مغرب کے بعد موچیوں کی مسجد میں جہاں میرے والد صاحب کا قیام اکثر رہتا تھا، ہدایہ کا سبق ہوتا تھا، میں تنہا ہی تھا، ہدایہ پر نقلی اور عقلی احادیث کے اور کفایہ اور عنایہ اور فتح القدیر کے خوب اعتراضات کیا کرتا تھا'' (۵۹. ۶۰ آپ بیتی ۲)

جب آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر بخاری، ترمذی دوبارہ ان سے پڑھنی شروع کی تو اس سال اپنی محنت اور علمی مصروفیت کا حال تحریر فرماتے ہیں۔

''تقریباً یہ سال میرا ایسا گذرا کہ رات دن میں دو گھنٹہ سے زیادہ سونے کی نوبت نہیں آئی ۔۔۔۔عشاء کے بعد رات تین چار بجے تک میں ترمذی، بخاری کا مطالعہ دیکھا کرتا تھا، اور فتح الباری، عینی، قسطلانی، سندھی کے ابواب بہت ہی غور سے اور بالاستیعاب دیکھتا''۔ (۲۔۶۱)

پھر مظاہر علوم میں تدریس کے ساتھ جب حضرت سہارنپوری نے ابوداؤد پر اپنی عظیم المرتبت شرح ''بذل المجہود'' کی تصنیف شروع کی تو شیخ ہی اس کا مواد جمع کرنے والے تھے اس زمانے کی بہت دلچسپ باتیں ''آپ بیتی'' میں موجود ہیں۔ علم کی حقیقی قدر و محبت اور اس کے ساتھ لگاؤ جیسا ہونا چاہئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اس واقعہ میں وہ واضح موجود ہے چنانچہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

''ناکارہ کا معمول یہ رہا کہ بذل کے لکھنے کے زمانے میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گزرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنا رکھی تھی اور اس کتاب کے نام سے اس کاپی پر نام لکھتا تھا: شیخ، شذرات بخاری اسی طرح شم، شت، شد وغیرہ صحاح ستہ کی ہر کتاب اور مؤطا ئین اور طحاوی اور ہدایہ کی کاپیاں بنا رکھی تھیں'' اس ناکارہ کی بذل کی تالیف کے زمانہ میں اس کی بہت خواہش رہتی تھی کہ کوئی شخص حضرت سے دو چار منٹ کو بات کرنے کے واسطے آجائے تو میں جلدی جلدی وہ دیکھے ہوئے مضامین شذرات کی کاپیوں پر لکھ لوں ۔۔۔۔ اور اس ناکارہ کا وہ زمانہ درحقیقت طلب علم کا تھا، بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا، اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی کھانا یاد نہیں رہا، کہ مہمانوں کا ہجوم اس زمانے میں میرے پاس نہیں ہوتا تھا، البتہ طلبہ ساتھ کھانے والے ہوتے تھے ان سے کہہ دیتا تھا تم کھا لو میرا انتظار نہ کرو، عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا اس وقت یاد آتا کہ دوپہر کی روٹی نہیں کھائی، اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے چھوٹ گیا تھا، تیس پینتیس گھنٹے روٹی کھائے ہوئے گزر جاتے تھے۔

(۲۔۱۱۹۔۱۲۱)

اسی مسلسل محنت اورزبردست مجاہدہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ نے سو سے اوپر اہم اور مفید تصانیف اپنے پیچھے چھوڑیں جن میں سے تراسی (۸۳) کتب کی فہرست اور مختصر تعارف ''آپ بیتی'' نمبر۲ میں آچکا ہے، اکثر غیر مطبوع ہیں، ان سب میں اگر صرف ''أوجز المسالک الی مؤطا امام مالک'' جو۸ جلدوں میں ہے آپ کی تصنیف ہوتی تو آپ کے تبحر علمی کی شہادت اور اہل علم پر احسان کے لئے کافی تھی۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ

شاید ان ذرّوں میں تصویریں کھنچی ہوں آپکی
یہ سمجھ کر منتشر اجزاءِ دِل یک جا کئے

ولادت، نام اور ایام طفولیت

حضرت علامہ مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۰۰ھ کے آخری دن کا آفتاب جب غروب ہوا تو چودہویں صدی ہجری کی پہلی شب کو بدایون میں پیدا ہوئے۔اس وقت آپ کے والد ماجد وہاں ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔آپ کے نانا جان نے آپ کا نام محمد اعزاز علی رکھا۔آپ کے پدر بزرگوار کا نام محمد مزاج علی بن حسن علی بن خیر اللہ ہے۔ باشندگان محلہ ''شاہی چبوترہ'' قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی سے تھے۔اورآپ کی نانیہال بریلی یوپی میں تھی۔آپ کی عمر کا کافی حصہ شاہجہاں پور میں گزرا۔چنانچہ اسی تبدیل مکانی کی وجہ سے آپ کے وطن اصلی میں بھی اختلاف ہوا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت نے شروع میں اپنے کو شاہجہاں پوری لکھا۔پھر بریلی کی طرف اپنے کو منسوب فرمایا پھر آبائی وطن امروہہ کی محبت سے مجبور ہوکر اپنے کو امروہوی تحریر فرمایا۔اور دارالعلوم دیوبند سے متعلق ہونیکے سبب دیوبندی کہلائے۔ایام طفولیت ہی میں والد ماجد کے ساتھ بریلی سے شاہجہاں پور پہنچے اور وہاں ہی رہنے لگے۔

ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن

سب سے پہلے قطب الدین نامی ایک صاحب کے پاس آپ کی بسم اللہ خوانی ہوئی۔

آپ نے موصوف کے پاس حروف تہجی سے لے کر قرآن حکیم کا اکثر حصہ ناظرہ پڑھا۔ پھر آپ کی والدہ ماجدہ نے جب دیکھا کہ آپ کے بڑے بھائی نے قرآن مجید حفظ کر کے بدقسمتی سے بھلا دیا تو بڑے بھائی بھائی کی جگہ پر آپ کو حفظ کے لئے مقرر کیا۔ اب آپ کی خوش قسمتی سے آپ کو حافظ شرف الدین خان جیسے تہجد گزار استاد نصیب ہوئے۔ پھر آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں سن بلوغ سے قبل حفظ قرآن سے فراغت حاصل کر لی اور والد ماجد کے ہمراہ تلہر نامی ایک دیہات میں چلے گئے۔

تحصیل علوم

قیام تلہر کے زمانے میں مولوی مقصود علی صاحب شاہجہاں پوری کے پاس ''میزان الصرف'' اور نحو اور فارسی کی کچھ کتابیں مدرسہ ''گلشن فیض'' میں پڑھیں۔ اور یہ صرف اس جذبہ کے پیش نظر کہ حافظ صاحب موصوف نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ''کلام اللہ کا نفع بدون اس کے معنیٰ سمجھنے کے مکمل نہیں ہوتا''۔ بہر حال مولوی صاحب موصوف اگر چہ طلبہ کو کافی مار پیٹ کرتے تھے لیکن انتہائی درجہ کے شفیق اور مہربان اُستاد بھی تھے۔ ان کی اس مار پیٹ کی شہرت کی وجہ سے طلبہ کے رشتہ دار مولوی صاحب سے کبھی کبھی جھگڑ بھی لیتے تھے۔ اور ان سے اسی بناء پر عموماً خوش نہیں رہتے تھے۔ لیکن بلاشبہ مولوی صاحب موصوف فارسی کے مشہور مصرعہ ''جور اُستاد بہ زمہر پدر'' کے خوب رمز شناس تھے اور اس گر کو حضرت مولانا اعزاز علی نے بھی خوب تاڑ لیا تھا۔ اس لئے آپ مار پیٹ کا خیال کئے بغیر ان کے فیوض علمی سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ کافیہ کی مشہور شرح ''شرح ملا جامی'' موصوف کے پاس پڑھتے اور اپنے رفیق طلبہ کیساتھ مشکل صیغوں کی بحث اور پُر پیچ نحوی تراکیب کی تحقیق میں میدان مناظرہ میں خوب اپنی جولانی دیکھاتے۔ چنانچہ کامیابی کا سہرا کبھی آپ کے سر بندھا اور کبھی آپ کے رفیقوں کے سر۔

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　　می تافت ستارۂ بلندی

شاہجہاں پور

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اپنے مقصد اصلی کی طلب کا شوق آپ کے دل میں کس قدر موجزن تھا لیکن بُرا ہو ان گردشہائے زمانہ کا جن کے پھندے میں پھنس کر کتنی

استعدادیں ضائع ہوتی رہتی ہیں۔اور کتنے حوصلوں اور اُمنگوں کا خون ہوتا رہتا ہے۔
آخر حوادث زمانہ کا مردم خوار دیو اس ہونہار طالب علم کو کیسے چھوڑ سکتا تھا۔آیا اور اپنے
بیداد ہاتھوں کے ذریعہ تلمذ کے فیض بخش اُستاد کے دروازے سے اسے اُٹھا کر
شاہجہاں پور کی زمین پر پھینکدیا، یہاں آپکے بھائی نے آپکو ایک بدمزاج متکبر علم
نما مولوی کے سپرد کردیا جس کی وجہ سے ایک سال کچھ زیادہ کا عرصہ ضائع ہوگیا۔ پھر توفیق
الٰہی نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ وہاں کے ایک مدرسہ ''عین العلم'' نامی میں جو درحقیقت
اسم بامسمّٰی ہے داخل ہوئے۔ مدرسہ مذکورہ کے بانی مولانا عبید الحق خان کابلی
قدس سرہ تھے جو بڑے بلند پایہ متقی عالم تھے۔ان کے پاس اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ
سید بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ مرادآبادی اور حضرۃ العلامہ مفتی اعظم مولانا محمد
کفایت اللہ الشاہجہانپوری ثم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس
چند سال تک مختلف فنون کی کتابیں پڑھیں۔ابھی آپ پچھلے ایام کو بھولے بھی نہ تھے
کہ یکایک گھر سے مالی مصیبتوں کا ایک نیا جانکسل غم لاحق ہوا۔اور مجبور ہوکر جب آپ
نے مدرسہ کے بانی اور ناظم مولانا عبید الحق خان صاحب کے سامنے اس جگر خراش خبر کا
اظہار کیا تو ممدوح نے اپنے ہونہار شاگرد کے حال پر نہایت افسوس کیا اور علم کی سچی طلب
کی بنا پر ترک وطن کا مشورہ دیا۔اپنے مشفق اُستاد کا اشارہ پاتے ہی سفر کیلئے پابہ رکاب ہوئے
اور یوں مترنم ہوئے۔

تلقی بکل بلاد ان حللت بها   اهلا باهل ووطناً باوطان

اور اپنے اعزہ واقرباء کی رضامندی کے بغیر طلب علم کے لئے وطن سے
روانہ ہوگئے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید   یا جاں رسد بجاناں یا جاں وتن برآید

''دارالعلوم دیوبند''

آخر دارالعلوم دیوبند پہنچے جس کی پاک سرزمین سے ایسے ایسے ''گوہر نایاب'' پیدا ہوئے
جن کے تذکروں سے علمائے سلف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔وہاں پہنچکر ہدایہ اولیں،
حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم

دارالعلوم دیوبند سے اور منطق کی بعض کتابیں مشہور عالم مولانا محمد سہول بھاگلپوری سے (اس وقت ممدوح اوپر درجہ کے طالب علم تھے) اور دوسری مختلف فنون کی کتابیں دوسرے اساتذہ کے پاس پڑھیں۔ پھر اچانک رشتہ داروں کے اصرار پر بادل نخواستہ دیوبند چھوڑ کر میرٹھ چلے گئے۔

ایک دل ہے اور طوفان حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

تقریباً چار سال تک میرٹھ میں مقیم رہ کر "مدرسہ قومیہ میرٹھ" میں بخاری شریف کے علاوہ صحاح کی تمام کتابیں اور مختلف علوم وفنون کی کتب عالیہ حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب دیوبندی کے پاس اور اصول وعروض کی بعض کتابیں حضرۃ مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تمام کیں۔ پھر کسی اُستاد کے کہنے پر ان کے مطبع میں کچھ عرصہ تک تصحیح کا کام انجام دیتے رہے لیکن علم کی جو پیاس دیوبند میں لگ چکی تھی بھلاوہ اس طالب بلند اقبال کو میرٹھ میں کیسے چین سے رہنے دیتی۔ دیوبند جانیکا شوق دل میں پھر کروٹیں لینے لگا۔

دیو بند الفنا ھا علی کل حالۃ   وقد یولف الشئی الذی لیس بالحسن

پھر دیوبند کی طرف مراجعت

یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی   یہ سب تلخیاں ان کی ہیں اتفاقی

تحصیل کمال

آخر کار پھر تحصیل کمال کیلئے دارالعلوم دیوبند پہنچے وللہ درابی الطیب۔

ولم ارفی عیوب الناس عیبا   کنقص القادرین علی التمام

اس دفعہ یہاں صدرالاساتذہ، مشہور عالم، استاذ العلماء امام المحققین شیخ الہند مولانا محمودالحسن صاحب محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جامع ترمذی، صحیح بخاری، سنن ابی داوٗد، بیضاوی، ہدایہ اخیرین اور توضیح وتلویح پڑھی اور کچھ کتابیں استاد معقولات مولانا غلام رسول ہزاروی اور مولانا مفتی عزیزالرحمٰن دیوبندی صاحبان کے پاس پڑھیں۔ پھر نفحۃ الیمن کے علاوہ ادب کی تمام متداول کتابیں دورۂ حدیث کے ایک جیّد متعلم مولانا سیّد معزّ الدین صاحب کے پاس تمام کیں۔

تعلیمی خدمات کے ابتدائی دس سال

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد ہی حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شفیق اور بے نظیر استاد شیخ الہند محمود الحسن محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور (بہار) میں تعلیمی خدمت پر مامور ہوئے، تقریباً سات سال تک وہاں مقیم رہے۔ پھر بوڑھے اور ناتواں والد ماجد کے اصرار پر وطن کی دوری ترک کر کے شاہجہاں پور آ کر مقیم ہوگئے۔ اور وہاں کے ''مدرسہ افضل المدارس'' میں حضرۃ نے تین سال تک تعلیمی خدمات انجام دیں۔ پھر آپ مدرسہ کے ناظم کے انتقال کے بعد ۱۳۳۰ھ میں قدرت الٰہیہ کی عنایات بے غایات سے مشہورِ عالم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے درجات عالیہ کے مدرسین کی صف میں آ ملے۔

قوت حافظہ اور ذہانت

آپ کے قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ان گنت کتابوں کے کئی کئی صفحات اور کئی کئی سطریں بلا کسی تغیر کے زبانی پڑھ ڈالتے۔ حافظ حدیث اور حافظ قرآن تو تھے ہی۔ ائمہ کے مذاہب فقہیہ مع دلائل بھی آپ کے سینے میں ہمیشہ محفوظ رہتے۔ درس کے وقت طلبہ کی استعداد کا لحاظ ہمیشہ رہتا۔ اس لئے بقدر ضرورت حوالے اور کتابوں کے نام بھی لیتے۔ اس قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ ذہانت بھی بلا کی تھی۔ طلبہ کے مشکل سے مشکل سوال کا جواب بہت جلد اور مسکت دیتے تھے جو طلبہ کے لئے شفاء لما فی الصّدور کا کام دیتا تھا۔ الزامی جواب دینے میں تو آپ دارالعلوم میں مشہور تھے، بعضوں کا کہنا ہے کہ آپ کی یہ ذہانت شب و روز مطالعہ کتب اور غیر معمولی محنت کا نتیجہ تھی۔ بہر حال آپ غیر معمولی ذہین تھے۔

تصانیف

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو درس اور تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی غیر معمولی شغف تھا۔ چنانچہ یہ سلسلہ اخیر وقت تک جاری رہا۔ اس سلسلے میں میرا کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دِکھانیکے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے صرف متعدد تصانیف کے نام ہی شمار کر دینے پر بس کرتا ہوں۔

نام		فن
(۱)	التعلیق علیٰ نو ر الا یضا ح فی الفا رسیة	فقه
(۲)	التعلیق علی دیو ان الحما سه (عربی)	ادب
(۳)	التعلیق علی دیو ان المتنبی (عربی)	ادب
(۴)	حا شیه مفید الطا لبین	ادب
(۵)	التر جمة الهند یة للقصید ة الا خلا قیه	ادب
(۶)	التر جمةالهندیة للقصید ة اللا میه	ادب
(۷)	التعلیق علی عروض المفتاح للسکا کی	عروض
(۸)	التعلیق علی نور الا یضا ح فی العر بیة	فقه
(۹)	التعلیق علی مختصر القد وری	فقه
(۱۰)	تر جمة الز واجر فی النهی عن اقتر اف الکبائر للشیخ ابن حجر الهیثمی المکی	حدیث
(۱۱)	التعلیق علی تلخیص المفتا ح للخطیب البغدادی	معا نی
(۱۲)	التعلیق علی شرح النقا یه	فقه
(۱۳)	التعلیق علی شما ئل التر مذ ی	حدیث
(۱۴)	التعلیق علی کنز الد قا ئق	فقه
(۱۵)	حو اشی ابن ما جه	حدیث
(۱۶)	نفحة العر ب	ادب

وفات

کُلّ مَنْ عَلَیْهَافَان (الآیة)

اللہ اللہ! اس عالم فنا میں کیسے کیسے باکمال آئے اور گنتی کے چند ایام گزار کر سدھار گئے۔ خود اسی دارالعلوم دیو بند کے کتنے باکمال راہی بقا ہوئے لیکن جو جا تا ہے پھر مُڑ کے نہیں دیکھتا۔ ع ''روپس نہ کرد ہر کہ ازیں کا خا کداں گزشت''۔ بلاشبہ عالم کی ہر چیز کو فنا ہے۔ کہا جا تا ہے کہ آپ انتقال سے کئی دن قبل نمونیا کے عارضے میں مبتلا ہوئے لیکن پھر بھی آپ نے اپنا درس نہیں چھوڑا۔ علاج ہوتا رہا آخر دوشنبہ مورخہ ۱۱/ رجب کو مرض بڑھا اور سہ

شنبہ ۱۲/ رجب مطابق ۸/ مارچ کی نماز صبح کی اذان سے کچھ قبل اس عالم فنا سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ الخ وانا اللہ راجعون ۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ۔۔۔ ولكنه بنيا ن قو م تهد ما

له خلد وللخدام حز ن ۔۔۔ يأ ينا مو ته خيرا و شوا

دارالعلوم دیوبند کی مدح میں حضرت کے چند اشعار

دار العلوم بفيضها المدرارِ ۔۔۔ فاقت ضياء الشمس نصف نهارِ

باقٍ علٰى مرّ الزّ ما ن لِا هلهٖ ۔۔۔ من فيضها الهطّال لجر جا رِ

من جاء يستسقي لجا رفيو ضها ۔۔۔ يسقٰى بها عللابفتح البا رى

زادت على شمس السماء وبدرها ۔۔۔ نور افليس معا ر ض ومبارى

عادت تضئيى وليلها كنها رها ۔۔۔ وتميزّ الا بر ار من فجّارِ

تدعو الىٰ غفر ان ربِ غا فرِ ۔۔۔ وتصير تر سا من عذاب النّار

شهد ت ملا ئكة الا له بفضلها ۔۔۔ ودعت لها الحيتان تحت لجا رِ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان زرتها ما ز رت الا رو ضة ۔۔۔ ألفا من القرآن والأ ثا رِ

يتلٰى كتا ب الله فيها دائما ۔۔۔ وحديث احمد سيّد الا بر ارِ

ان زر تها ما ز رت الا راية ۔۔۔ الا سلا م والا يما ن للزّ وار

ان زر تها ما ز رت الا معد نا ۔۔۔ للعلم علم نبيّنا المختار

شاهد تها فرأ يتها مملؤ ة ۔۔۔ من طا ئع خا شٍ من القهّارِ

ان زر تها ما ز رت الا مزنة ۔۔۔ اجر ت على الا و عار من انها رِ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فيها رجا ل ليس تلهيهم ۔۔۔ تجار ات ولا بيع عن الا ستغفارِ

ذكر الا له طعا مهم وشر ابهم ۔۔۔ يتضوّ عو ن لكثر ة الا ذ كا رِ

جافت جنو بهم المضا جع ليلهم ۔۔۔ وتر اهم يبكو ن با لا سحارِ

طمعا الىٰ رضوان ربهم وخو فاً ۔۔۔ من عذاب القا در الجبّارِ

قصر مد ائح السنِ عن فضلهم　　وحسود هم مستكثر اخبار ی
ولهم فضا ئل لا تعد و كيف لا　　بذ لوا نفو سهم اتقاء البار ی
یا ربّ اصلح حالنا و مآلنا　　وامحق بسیفک صو لة الكفارِ
انزل بهم من كل شرّ شرّه　　واخذ لهم خذ لا ن ذی الا وزار
اوقد لهم نا راتحر ق كلهم　　وتحيطهم كا حا طة التيارِ
وامح الذ نو ب صغير ها وكبيرها　　ممّا جنا ها العبد يا ستّار ی
وارحم الهٰی العبد اعز از العلیّ　　حمّال ذنب حامل الا وز ارِ

وتزوّد ی حبّ النّبیّ محمّدٍ
ورجا ء ربِّ قا درِ غفّارِ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترانہ دار العلوم دیوبند

یہ علم و عمل کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقی کوثر نے رکھی میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں
جو وادیٔ فاراں سے اٹھی، گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کیلئے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں
برسا۔ ہاں وہ ابرِ کرم اٹھا تھا جو سوئے یثرب سے
اس وادی کا سارا دامن، سیراب ہے جوئے یثرب سے
کہسار یہاں دب جاتے ہیں، طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
ہر بوند ہے جس کی امرت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے
سوساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے
مہتاب یہاں کے ذرّوں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے
یہ صحن چمن ہے برکھا رت ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگ سحر بن جاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں
اسلام کے اسی مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی
اس بام حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی
اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ، خورشید جہاں کہلاتا ہے
جو رِند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیر مغاں کہلایا ہے
جو شمع یقیں روشن ہے یہاں وہ شمع حرم کا پرتو ہے
اس بزم ولی اللّٰہی میں تنویر نبوت کی ضو ہے
یہ مجلس ہے وہ مجلس ہے خود فطرت جسکی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہئے جو صبح ازل سے قائم ہے

جس وقت کسی یعقوبؔ کی لے اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذرّوں کی ضیا خورشید جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے
عابدؔ کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صفِ عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
یہ ایک صنم کا خانہ ہے جہاں محمودؔ بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرّے ذرّے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے
ہے عزم حسین احمدؔ سے بپا ہنگامہ دار و گیر یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کیلئے تلوار یہاں
رومیؔ کی غزل رازیؔ کی نظر، غزالیؔ کی تلقین یہاں
روشن ہے جمال انورؔ سے پیمانہ فخر الدینؔ یہاں
ہر رند ہے ابراہیم یہاں ہر میکش ہے اعزازؔ یہاں
رندانِ ہدیٰ پر کھلتے ہیں تقدیس طلب کے راز یہاں
ہیں کتنے عزیزؔ اس محفل کے انفاس حیات افروز ہمیں
اس سازِ معانی کے نغمے دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں
اس بزم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک
سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو
جو صبح ازل میں گونجی تھی فطرت کو وہی آواز ہیں ہم
پروردۂ خوشبو غنچے میں گلشن کے لئے اعجاز ہیں ہم
اس برق تجلی سمجھا پروانہ شمع نور ہمیں
یہ وادیٔ ایمن دیتی ہے تعلیم کلیم طور ہمیں
دریائے طلب ہو جاتا ہے ہر میکش کا پایاب یہاں
ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں، مے نوشی کے آداب یہاں

بلبل کی دعا جب گلشن میں فطرت کی زباں ہو جاتی ہے
انوار حرم کی تابانی ہر سمت عیاں ہو جاتی ہے
ہر موج یہاں اک دریا ہے، اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا آوازۂ اہل درد یہاں
امدادؔ و رشیدؔ و اشرفؔ کا یہ قلزمِ عرفاں پھیلے گا!
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے تا وسعت امکاں پھیلے گا
خورشید یہ دینِ احمدؐ کا عالم کے افق پر چمکے گا!
یہ نور ہمیشہ چمکا ہے یہ نور برابر چمکے گا!!!
یوں سینۂ گیتی پر روشن اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم سینہ میں دل بیدار رہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شیخ کی آپ بیتی

انتخاب و تلخیص

از

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی